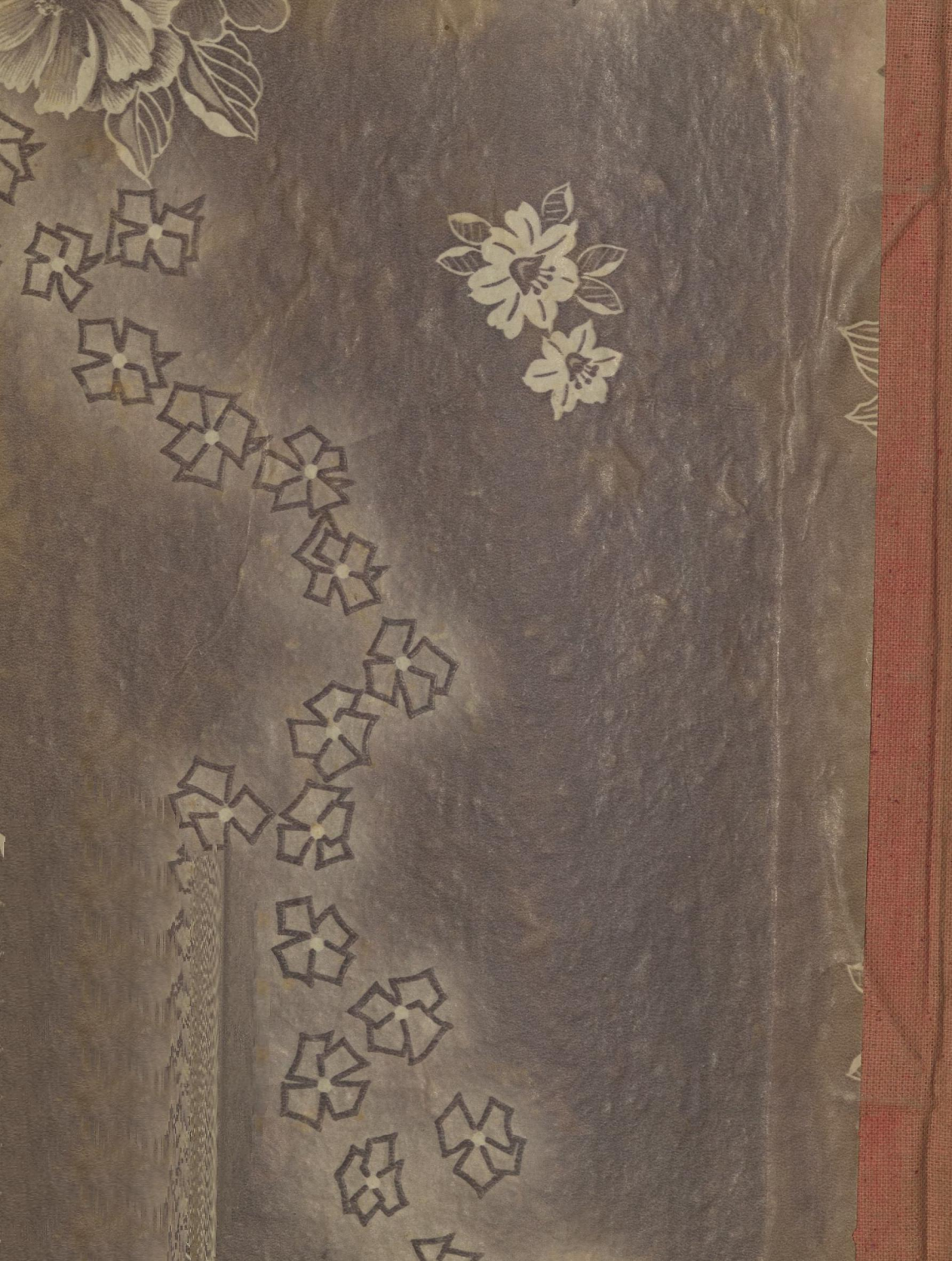

ذاتی
مفتی
۱۳ ۸۹ ھ

مصباح التواریخ

۸۹ ھ ۱۳

یعنی

تذکرۂ جاوِدان

۹۰ ھ ۱۳

مرتبہ

خاصان المخدوم زادگانِ مدینۃ الاولیا

سنہ ۱۹۷۰ء

حشر القادری بدایونی

تعارف

۸ جنوری ۱۹۷۰ء مطابق ۲۹ شوال ۱۳۸۹ھ بروز جمعرات میری والدہ محترمہ نے بعمر ۸۰ سال تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہا میری بدنصیبی کہ میں لائل پور میں بھی نہ تھا بلکہ اُسی دن سرگودھا گیا ہوا تھا۔ واپسی پر اطلاع ملی۔ افسوس صد افسوس کہ محترمہ و معظمہ کا آخری دیدار بھی نہ کر سکا۔

چنانچہ ۹ جنوری کو کراچی پہنچا۔ اور مرقدِ مبارک کی زیارت سے مشرف۔ اندوز ہو کر کچھ تسکین ہوئی۔ ۱۰ جنوری کو سوئم کا اجتماع تھا۔ راولپنڈی۔ لائل پور اور کراچی کے تمام اعزا اور احباب موجود تھے۔ درود و سلام اور نذر و نیاز سے فارغ ہو کر میرے چند عزیزوں نے ایک کتاب تاریخ اولیائے حق میرے سپرد کی جسے میرے چچازاد بڑے بھائی قبلہ ضیاء القادری بدایونی نے ۱۳۷۷ھ ہجری میں چھپوا کر مخدوم زادگان میں تقسیم کی۔

مجھے افسوس ہے کہ بارہ سال کے طویل عرصہ میں یہ کتاب میری نظر سے کیوں نہیں گذری۔ شاید بھائی صاحب کی کوئی خاص مصلحت ہو۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ میں نے مالی تعاون کے علاوہ تاریخی مواد کی فراہمی میں بھی حتی الوسع خدمت کی ہے کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس کتاب کا مسودہ ہی میری نظر سے گذر جاتا۔ تاکہ وہ خامیاں دور ہو جاتیں جو ترتیب حالات کی وجہ سے انگشت نمائی کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ اور جنکی وجہ سے رُشد و ہدایت کے مہر و ماہ بھی گہنا گئے۔

حیرت ہے کہ موصوف سے یہہ بھول کس طرح ہوئی (اور نہیں تو کم از کم ربط گریزاں سے ہی کام لے کر۔ اپنی مروجہ روش پر قائم رہتے۔

خیر مجھے ان موصوف سے کوئی شکوہ نہیں۔ لیکن دیگر احباب اور مخدوم زادوں کو جو شکایت پیدا ہو گئی اور ترتیب و کوائف میں جو خود ستائش مناظر ابھر آئے وہ تکلیف دہ ہیں۔ اس لئے مخدوم زادوں کے اصرار پر مجبور ہو کر مجھے تدوین حقائق کرنا پڑی۔

برادر مکرم قبلہ ضیاء القادری صاحب نے جو غیر متوقع انداز تحریر اختیار کیا۔ اسکی میں معافی چاہتا ہوں۔ اور تلافی کی خاطر۔ زیر نظر۔ مصباح التواریخ پیش کیجا رہی ہے جو اواخر ۱۳۸۹ھ میں شروع ہو کر تذکرۂ جاوداں کی صورت میں اوائل ۱۳۹۰ھ مطابق اپریل ۱۹۷۰ء میں مکمل ہوئی۔

حالات و واقعات کی ترتیب میں جن کتابوں نے میرے جذبۂ تحقیق و تجسس کی پذیرائی کی انمیں مشہور تاریخ فرشتہ۔ سلاطین اسلام مصنفہ لین پول ۱۸۹۳ء تاریخ حریت اسلام مصنفہ محمد دین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیر۔ لاہور۔ و قلمی نسخہ جات مرتبہ بزرگان دین کا بہت بڑا دخل ہے۔

مخدوم زادہ

دفتر مجلس انتظامیہ پیپلز کالونی پبلک اسکول

۸۔ بی پیپلز کالونی لائلپور

پاکستان

(مزمل حسین) حشر القادری بدایونی

۲۶ اپریل ۱۹۷۰ء

شجرہ نسب خاندان اولاد مخدوم عبداللہ عارف باللہ

سیدنا حضرت مخدوم الاولیا عارف باللہ
مخدوم عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ
سیدنا مولانا رحمت اللہ چشتی رحمۃ
سیدنا مولانا محمد ہادی رحمۃ
سیدنا مولانا محمد حسبی اللہ رحمۃ
سیدنا مولانا عبدالواحد رحمۃ

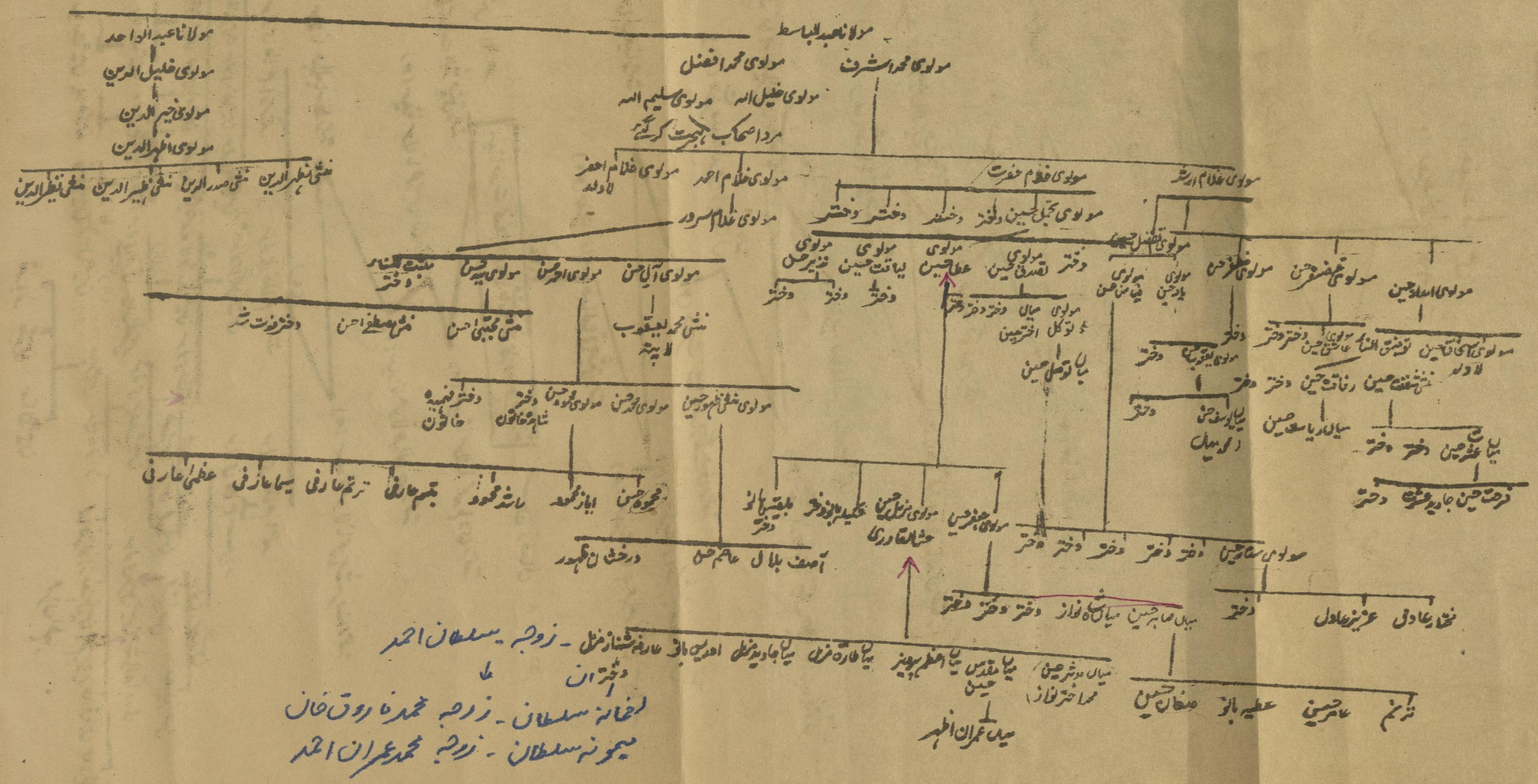

شجرۂ عالیہ چشتیہ مخدومیہ

سلطان الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضرت مولا علی رضؓ

(۲) حضرت خواجہ حسن بصری رضؓ

(۳) حضرت واحد رحمۃ

(۴) حضرت خواجہ فضیل رحمۃ

(۵) حضرت خواجہ ابراہیم رحمۃ

(۶) حضرت حذیفہ رحمۃ

(۷) حضرت ہبیرہ رحمۃ

(۸) حضرت خواجہ شمشاد رحمۃ

(۹) حضرت اسحاق رحمۃ

(۱۰) حضرت ابدال رحمۃ

(۱۱) حضرت خواجہ محمد رحمۃ

(۱۲) حضرت خواجہ یوسف

(۱۳) حضرت مودود رحمۃ

(۱۴) حضرت عثمان ہرونی رحمۃ

(۱۵) حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ

(۱۶) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ

(۱۷) حضرت بابا گنج شکر فرید رحمۃ

(۱۸) حضرت نظام الدین محبوب الٰہی

(۱۹) حضرت خواجہ نصیر الدین روشن چراغ رحمۃ

(۲۰) حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری رحمۃ

(۲۱) حضرت صدر الدین راجو قتال رحمۃ

(۲۲) حضرت شاہ سارنگ دلی رحمۃ

(۲۳) حضرت خواجہ مینا رحمۃ

(۲۴) حضرت خواجہ شیخ سعد الدین رحمۃ

(۲۵) حضرت خواجہ عبد الصمد شیخ صفی احمد

(۲۶) حضرت خواجہ عبد الباقی چشتی رحمۃ

(۲۷) سیدنا حضرت مخدوم الاولیا عارف باللہ مخدوم عبد اللہ رحمۃ

سن پیدائش ۹۱۰ ھ — سن وصال ۱۰۰۸ ھ

(۱) سیدنا مولانا رحمت اللہ چشتی رحمۃ

(۲) سیدنا مولانا محمد ہادی رحمۃ

(۳) سیدنا مولانا محمد حسبی اللہ رحمۃ

(۴) سیدنا مولانا عبد الواحد رحمۃ

(۵) سیدنا مولانا عبد الباسط رحمۃ

(۶) سیدنا مولانا محمد اشرف رحمۃ

(۷)

مولوی غلام ارشد — مولوی غلام حضرت — مولوی غلام احمد

مولوی غلام سرور

مولوی ابو الحسین — مولوی مظفر حسین — مولوی مظہر حسین — مولوی فضل حسین — مولوی تجمل حسین

مولوی اسحاق حسین — مولوی عاشق حسین — مولوی یاد حسین — مولوی فیاض حسین — مولوی تصدق حسین — مولوی عطا حسین

مولوی سید حسن — مولوی راحت حسن — مولوی مہدی حسین — مولوی محمود حسن

مجتبیٰ حسن — مصطفیٰ حسن

مولوی مزمل حسین حشر القادری

مولوی جعفر حسین — مولوی توکل حسین — میاں محمد میر

(۱۰)

مولوی محمد حسین — مولوی یعقوب حسین — مولوی یوسف حسین

(۱۱)

مولوی توسل حسین — توسل حسین

شفقت حسین — رفاقت حسین — ریاست حسین — عشرت حسین

صابر حسین — شاہ نواز

محمد اختر نواز — مقدس حسین اعظم — پرویز — طارق — نزل — جاوید مرتضیٰ

عمران اطہر

تہمینہ بانو — عابد حسین — حدنان حسین

بدایوں

یعنی

مدینۃ الاولیاء

۷۸۶

بدایوں بہت ہی پرانا اور مشہور زمانہ شہر ہے۔ جسے ایک گڈریئے (جسکا نام "منو" تھا) نے اُس وقت بسایا تھا۔ جب موجودہ۔ قاضی حوض۔ کے اطراف میں۔ اُسکے چوپائے جنگلات کے پیچ وخم میں گُم ہوجایا کرتے تھے اور اِسطرح اُسے کئی دن اور کئی راتیں۔ ذہنی اور روحی کوفت میں گذارنا پڑتی تھیں۔ چنانچہ اُسنے مرکزیت قائم کرنے کی خاطر ایک وسیع احاطہ بنایا۔ جسکے درمیان میں اپنی ایک جھونپڑی تیار کرلی۔ جو رفتہ رفتہ۔ جانوروں کے علاوہ۔ انسانوں کی بھی۔ پناہ گاہ بنگئی۔ اور اِدھر اُدھر کے بھولے بھٹکے انسانوں نے۔ اِس مقام کو نظر نواز۔ روح پرور۔ سرسبز وشاداب اور صحت افزا پاکر۔ اپنے اپنے قطعات مخصوص کرلئے۔ جو جلد یا بدیر ایک شہر کی صورت میں تبدیل ہوگئے۔ جنکا نام بیدا منو رکھدیا گیا۔

تاریخ۔ ضرورت اور تبلیغ نے جب سر بلندی اختیار کی۔ چندرگپت کے کارپردازانِ حکومت نے اس شہر کو بھی منتخب کرکے۔ بڑی بڑی درسگاہیں اور یادگار تعمیرات قائم کیں۔ گوتم بدھ بھی اس علاقے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسکے عقیدت مندوں نے دوآبہ کی سرزمین میں۔ اسی شہر کو چُنا اور اِسطرح اِسکا نام بدھ مت پڑگیا۔

اُفتادِ زمانہ کہیئے یا حالات کا تنوع۔ یہہ شہر مختلف چولے بدل بدل کر بُدھ گاؤں۔ بہداؤں اور بداوں جیسے ناموں سے گذر کر بدایوں بنا اور پھر بزرگانِ دین اور اولیائے کاملین کے اجتماع وتصرفاتِ گوناگوں کی بدولت اربابِ سلوک وطریقت کی لُغت میں۔ مدینۃ الاولیاء کہلایا جانے لگا۔

سلطان قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت تک۔ اِس شہر پر ہندو راجاؤں

اور مہاراجاؤں کی حکومت تھی۔ حالانکہ حضرت محمود غزنوی کے زمانہ سے بدایوں میں اسلام کا پھریرا لہرانے لگا تھا ۴۱۹ھ ہجری سے ۵۹۰ھ ہجری تک مسلمان اس شہر پر بشانِ سلطانی قابض ہو گئے۔ جسکی تفصیل کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے۔ مگر ہم اختصار سے کام لیکر۔ اپنی داستانِ حیات دُھرائینگے۔

بدایوں کو مدینۃ الاولیا۔ بنانے کی ابتدا شہدائے غزنی کے متبرک خون سے ہوئی۔ جنکے سرخیل حضرت علی شہیدؒ (جنکا مزار قلعہ بدایوں کی مغربی فصیل پر ہے) اور حضرت ملہم شہیدؒ (جنکا مقبرہ اندرون قلعہ ہے) تھے۔ یہہ حضرات ناصرالدین سبکتگین والئ غزنی کے نمائندے بنکر بدایوں آئے تھے۔

اپنے خاندانی حالات کے دیباچہ کے طور پر یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ سلطان سبکتگین الپتگین کا داماد تھا۔ اور الپتگین سامانی قبیلے کا ایک ترکی غلام تھا جسے ایک بزرگ عبدالملک سامانی نے خُراسان میں سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا حضرت عبدالملک کی وفات کے بعد الپتگین۔ کوہ سلیمان کے دامن میں واقع شہر غزنی چلا گیا (جہاں پہلے وہ گورنر رہ چکا تھا) اور اسطرح اپنے آقاؤں کی تادیب سے بچکر مطلق العنان بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن قدرت کسی کو معاف نہیں کرتی۔ اسکا جلد ہی انتقال ہو گیا اور سلطان سبکتگین جو الپتگین کا غلام اور داماد تھا۔ خود حاکم بن بیٹھا۔ لیکن یہہ احسان فراموش نہ تھا۔ سامانی حکمرانوں کا اطاعت گذار رہ کر۔ خاندانِ غزنوی کی شان و شوکت اور شہرت و عظمت کو دوبالا کرتا رہا۔ سامانی مملکت۔ خُراسان اور ماوراالنہر وغیرہ کو چھوڑ کر سلطان سبکتگین مشرق میں۔ ہندوستان کے راجاؤں۔ مہاراجاؤں اور راجپوتوں کو شکست دیکر پشاور تک آپہونچا۔ اور اسطرح۔ غزنوی حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ تا آنکہ

محمود غزنوی نے تاریخ اسلام میں ایک نہایت نمایاں کردار ادا کیا۔

حضرت علی شہیدؒ اور حضرت علیم شہیدؒ نمایندگان سلطان سبکتگین کی ورودِ سعید کے مختلف تاریخی اسباب و وجوہات ہیں۔ جنکا لُبِ لباب یہہ ہے کہ:۔

راجہ جے پال والئی لاہور جب سلطان سبکتگین کے ہاتھوں شکست کھا کر نڈھال ہو گیا اور ناصرالدین غزنی چلا گیا۔ جے پال نے اجے پال والئی بدایوں سے مدد مانگی۔ یہہ راجہ نہایت شجاع اور باہمت تھا۔ اُسنے ایک عظیم الشان فوج تیار کی اور بے شمار گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لشکر سے آراستہ ہو کر۔ نیز دیگر راجاؤں کو مذہب کے نام پر اُبھار کر۔ اپنے ساتھ لیتا ہوا غزنی کی سرحد پر پہونچ گیا۔ طرفین میں ایک ہفتہ تک خون ریز جنگ ہوتی رہی۔ آلاتِ حرب کے علاوہ سحر و طلسم کی ہیبتناکی بھی اپنے عروج پر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بعوذ باللہ) عساکر اسلام کو شکست ہو جائے گی سبکتگین نے جب اس نازک صورتِ حال کو دیکھا۔ فوراً اولیائے کاملین سے رجوع ہوا۔ جسکے نتیجہ میں اُسے ایک طلسم کشا تدبیر بتائی گئی چنانچہ میدانِ کارزار کے نزدیک ایک وسیع چشمہ میں کچھ گندگی ڈلوا دی گئی تاکہ شیطانی قوتوں کو غلاظت میں دفنایا جا سکے۔

انتظام و انسداد کی تکمیل ہوتے ہی دریائے رحمت جوش میں آیا اور ایک ہیبتناک طوفانِ باد و باراں نے میدانِ جنگ کو گھیر لیا۔ دور دور تک برف کے گولے آسمان سے برسنے لگے اور تاحدِ نظر برف کی چادریں ہی چادریں بکھری پڑی تھیں۔ قہر و غضب کے اس طوفانی نرغے میں پھنسکر۔ ہندوستانی راجاؤں کی تمام فوج اور آلاتِ حرب معطل ہو کر رہ گئے۔ بھاگتے ہوئے انسانوں اور تڑپتے ہوئے جانوروں کو بمشکل راہِ فرار ملنے کی مجبور ہو کر اجے پال والئی بدایوں نے بارگاہِ سلطانی میں۔ حاضری کی درخواست پیش کی

اور شرفِ باریابی حاصل ہونے پر مختلف تحائف و نذرانے کورنش بجا لاکر سبکتگین کی خدمت میں پیش کئے۔ فراخ دل سلطان نے ریا و مکر کے اس ازلی ذلیل پتلے کو معاف کر دیا۔ اور ایک صلح نامہ ترتیب دیا گیا جسکی رو سے۔ لاہور اور بدایوں کے دونوں راجاؤں نے فی کس چھ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا قبول کیا۔ اور بطور ضمانت۔ اپنے کچھ معتمد سلطان کے پاس چھوڑ دیئے جس کے نتیجہ میں سلطان نے اپنے چند فقہا کو بدایوں کے راجہ کے ساتھ بھیجدیا۔ تاکہ مطلوبہ خراج بھجوانے کا انتظام کرتے رہیں۔ اور دوران قیام تبلیغِ دین و ملّت میں سرگرم رہکر اسلام کو سربلند کریں۔

بدایوں واپس آکر اجے پال کی نیت بدل گئی اور وہ اپنے عہد سے پھر گیا۔ اور اپنے ساتھ لائے ہوئے اکابرین ملّت کو نظر بند کر دیا۔ سلطان نے جب یہ خبر سنی ایک لشکر جرار لیکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور لاہور کے راجہ کو شکست دے کر بدایوں کی جانب بڑھا۔ اجے پال نے جب مجاہدانِ اسلام کے یلغار کی خبر سنی۔ قریب ایک لاکھ فوج لے کر تھانیسر کے مقام پر پہنچا۔ اور سپاہِ سلطانی سے بدمست ہاتھی کیطرح ٹکرا گیا۔ مگر وائے حسرتا شکستِ فاش کھا کر۔ گیدڑوں کی طرح دُم دبا کر بدایوں بھاگ آیا۔ چونکہ بارش کا موسم سر پر آگیا تھا۔ اِس لئے سلطان نے مفرور راجہ کے تعقب سے گریز کیا اور واپس غزنی چلا گیا۔ تاکہ موسم ٹھیک ہوتے ہی تازہ دم فوج لیکر اِس شیطان کی سرکوبی کر سکے۔۔۔ سلطان کا یہی تساہل اکابرین کی شہادت کا موجب بنا لیکن ہم اُسے قابلِ مواخذہ نہیں سمجھتے۔ کیونکہ مشیت ہی جب سرگرم عمل ہو تو انسان کے ارادے بدل ہی جایا کرتے ہیں۔

بدایوں پہونچکر۔ اِس شکست خوردہ کافر نے۔ معتمدانِ سلطانی کو شہید کرنے کا منصوبہ

ترتیب دیا جسکی خبر ان حضرات کو جب ملی مردانِ طریقت نے۔ خاموشی سے اپنے تصرّفات کو کام میں لاتے ہوئے دور افتادہ ساتھیوں اور پیروکاروں کو اکٹھا کر کے۔ جہاد شروع کر دیا جسکے نتیجہ میں راجہ اجے پال ایک زہریلا تیر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لیکن اسی دوران حضرت منیر ملہمؒ اور حضرت علی شہیدؒ بھی شہادت سے ہم آغوش ہو گئے جسکی خبر سنکر مردانِ حرؒ نے گرے ہوئے راجہ کا سر کاٹ لیا۔ اور اسطرح۔ خون شہداء نے اسلام کے مجاہدوں کو فتح و کامرانی کی سربلندی عطا کی۔

اسلام کی اس فتح کے بعد (یعنی سنہ ۴۲۹ ہجری میں) بدایوں پر مختلف عمّالانِ حکومت قابض رہے۔ تاآنکہ سنہ ۵۹۰ھ میں مکمل فتح کے بعد بہ حیثیت گورنر عنانِ حکومت شمس الدین التمش کے قبضہ میں آئی۔ جو ۶۳۳ھ تک بہ حیثیت سلطانِ ہند۔ بدایوں پر حکومت کرتا رہا۔ گو یہ سلطان بھی غلاموں کے خاندان سے تھا۔ لیکن اپنے تدبّر۔ حسنِ سلوک۔ مذہبی جذبات اور خدا ترسی کی بدولت۔ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وہ نہ صرف ظاہری اور دنیاوی تاجدار تھا بلکہ باطنی اور روحانی طور پر بھی ملک اور عوام پر حکومت کرتا تھا۔

اسی حق شناس اور دیندار بادشاہ کی وجہ سے بدایوں قبّتہ السلام مشہور ہوا اور جب بدایوں کا شہرہ بلادِ اسلامیہ تک پہونچا عراق۔ یمن۔ حجاز۔ ایران۔ سمرقند۔ بخارا۔ خراسان۔ اذربائیجان اور ماوراءالنہر کے علاقوں سے جلیل القدر صوفیائے طریقت اولیائے کاملین علماء و فضلاء۔ محدثین۔ شرفاء۔ صلحا اور مبلغین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرزمینِ بدایوں کی فرحت۔ سرور بخش آب و ہوا۔ انوار و برکات کی بہتات اور آثارِ روح پرور کی تجلیاں پاکر اکابرین ملت نے یہیں بود و باش اختیار کر لی جسکے نتیجہ میں یہ شہر جو ابتک قبّتہ الاسلام مشہور تھا۔ پیروں کا شہر یعنی مدینتہ الاولیاء

بنگیا۔ آبادی میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ سلطان التمش کے عہد حکومت میں مجموعی آبادی قریب ساتھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سات لاکھ نفوس میں کتنے اولیا۔ اتقیا۔ غوث۔ قطب اور مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہونگے۔ چند مشاہیر بزرگانِ اور خاصانِ خدا کے اسمائے گرامی جو تواریخ میں ملتے ہیں اور سینہ بسینہ محفوظ چلے آرہے ہیں درج ذیل ہیں۔

سیدنا حضرت سلطان العارفین خواجہ حسن شیخ شاہی روشن ضمیر رسن تاب رحمتہ

سیدنا حضرت خواجہ عثمان رسن تاب رحمتہ

سیدنا حضرت خواجہ ابوبکر بدرالدین شاہ ولایت موئے تاب رحمتہ

سیدنا حضرت سلطان ابراہیم یمنی رحمتہ

سیدنا حضرت خواجہ سید احمد بخاری رحمتہ

سیدنا حضرت خواجہ عرب بخاری رحمتہ

سیدنا حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمتہ

سیدنا حضرت اعزالدین احمد رحمتہ

سیدنا حضرت قاضی دانیال نظری رحمتہ

سیدنا حضرت خواجہ سید علی بخاری رحمتہ

سیدنا حضرت ہفت احمد (پانچویں احمد) رحمتہ

وغیرہم

سلطان شمس الدین التمش علیہ الرحمتہ نے جامع شمسی اور عیدگاہ شمسی قائم کر کے۔ بدایوں کو ابدالاباد تک مدینتہ الاولیاء رہنے کی بقائے دوام بخشی

جسکی ہر شب۔ شب برات۔ ہر صبح۔ صبح نور اور ہر دن روزِ عید کیطرح۔ درس و تدریس ذکر و فکر۔ روزہ و نماز۔ رکوع و سجود اور حال و قال کی برکتوں سے مالا مال ہے اور رہیگا عرفان و انوار کی کشش ہی تھی۔ جسنے خاندانِ سادات کے سلطان سید علاؤالدین محمد شاہ کو اس قدر گرویدہ بنایا کہ وہ اس سرزمین کی شہرت سنکر ۸۵۱ھ ہجری میں بدایوں چلا آیا اور وزیر الممالک حسام خاں کی بے پناہ ترغیبوں اور کوششوں کے باوجود اُسنے مدینتہ الاولیاء کو نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ ۸۵۵ھ ہجری میں اُسنے بدایوں کو ہندوستان کا دارالخلافہ بنا دیا۔ دھلی کی حکومت بہلول لودھی کے سپرد کردی اور خود بدایوں کے انوار و برکات اور اولیائے کاملین کی صحبت میں رہ کر قریب ۲۷ ستائیس سال تک ہندوستان پر حکومت کر کے ۸۸۲ھ ہجری میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔

سید علاؤالدین کی وفات کے بعد۔ بہلول لودھی نے ہندوستان کی حکومت سنبھال کر لودھی خاندان کی داغ بیل ڈالی۔ چونکہ اُسکے پیرانِ طریقت اجمیر اور دھلی میں تھے۔ اسلئے دھلی پھر پایہ تخت بنگیا اور شیخ الشیوخ حضرت سماء الحق والدین کی نظرِ کامل کے تصرف سے بہلول لودھی خدمتِ خلق میں مصروف رہنے لگا۔ لیکن اُسنے اپنے محسنِ اعظم حضرت سلطان علاؤالدین رحمۃ کے مدینتہ الاولیا کی عظمتوں میں فرق نہ آنے دیا۔

شہنشاہ ہند اکبر اعظم کے دورِ حکومت میں بھی بدایوں علما و اولیاء کا گہوارہ تھا اور اسی دور میں ہمارے جدِ امجد نے بدایوں کی سرزمین کو تبلیغِ دین اور درس و تدریس کے لئے منتخب کیا۔ غرضیکہ یہاں ایسے بزرگانِ حق آگاہ اور اکابرینِ ملت موجود رہے جنکی روحانی اور علمی کشش دور دراز کے علاقوں کے

تشنہ کامانِ معرفت اور شناورانِ شریعت وطریقت کو مدینتہ الاولیا (بدایوں) آنے کی دعوت دیتی رہی۔

چنانچہ ہم اسی زمانہ سے بزرگانِ دین کے حالات کو ترتیب دے کر اس مرکزِ ولایت وطریقت کے چند ممتاز مشاہیر کے ایمان افروز تذکرے کر رہے ہیں۔

پیرانِ طریقت

ے چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوفِ سلطان و وزیر

جدِّ امجد سیدنا حضرت مخدوم عبداللہ عارفِ باللہ کے تذکرے سے پیشتر ضروری ہے کہ ہم اُن بزرگانِ عالی مقام۔ اکابرین اور رہبرانِ ملّت۔ کے مختصر حالات کو سپردِ قلم کریں۔ جنکے کشف و کمال اور لازوال تصرّفات کی بدولت قبلہ مکرم نے رشد و ہدایت کے نیّرِ اعظم کو ضیا بار رکھا۔

حضرت علامہ احمد مجد شیبانی رحمۃ

آپ حضرت سیّدنا۔ اِمام الائمہ۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شاگردِ رشید حضرت امام محمد شیبانی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے والدِ بزرگوار قاضی مجدالدین ابن قاضی تاج الافاضل بن قاضی شمس الدین شیبانی تھے۔ حضرت خواجہ حسن ناگوری سے علومِ ظاہر و باطن حاصل کر کے خرقۂ خلافت پایا۔ اصل وطن نارنول تھا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اظہار میں ہمیشہ سر بکف رہتے تھے۔ ۸ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر اجمیر آئے اور بیس سال کی عمر سے قبل منڈو تشریف لے گئے۔

صدر العلماء شیخ محمود دہلوی۔ شیخ الاسلام تھے۔ صدر العلماء نے امام سے پہلے تحریمہ باندھا۔ کسی نے بھی اسپر اعتراض نہ کیا۔ مگر اس صغر سنی میں بھی آپ خاموش نہ رہ سکے اور سلام کے بعد آپنے فوراً شیخ الاسلام کو انکی غلطی پر ٹوکا۔ اور نماز کا اعادہ کرایا۔

سلاطینِ منڈو میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ جو لوگ سلام کو آتے وہ کورنش

بجالاتے۔ پشت خم کرتے۔ اور سر زمین پر رکھ کر سجدہ کرتے۔ حضرت احمد شیبانی اور قاضی ادریس دہلوی۔ دونوں بادشاہ کو اس بدعت سے باز رہنے کی ہمیشہ تلقین کرتے اور بجائے کورنش بادشاہ کو "السلام علیکم" کہتے۔ پہلے تو بادشاہ بہت ناراض ہوتا رہا لیکن ان بزرگوں کی مستقل شریعت نوازیوں اور خود داریوں سے اُسے متاثر ہونا ہی پڑا اور پھر اُسنے خوش ہو کر قاضی ادریس کو قاضی اجمیر۔ اور حضرت احمد شیبانی کو حاکم فتویٰ نویس یعنی مفتی اعظم مقرر کر دیا۔

حضرت احمد شیبانی نے ستر سال تک آستانۂ حضور غریب نواز میں خدمات انجام دیں۔ نصف شب ہوتے ہی آپ حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں میں تہجد مراقبہ اور مکاشفہ میں مشغول رہے اور چاشت کے وقت تک کسی سے گفتگو نہ کرتے بعدہٗ درس و تدریس کا شغل شروع ہو جاتا۔ آپ ہمیشہ فارسی اور عربی میں وعظ فرمایا کرتے۔ عصر کے بعد تفسیر مدارک پر بھی سیر حاصل تبصرہ ہوتا۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۲۵ صفر ۹۲۷ھ ہجری میں واصل بحق ہوئے۔ آپ اس وقت ناریول میں ہی تشریف فرما تھے۔ مزار شریف پیر و مرشد حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ کے روضہ اقدس میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ عبد الباقی چشتی رحمۃ

سلطان سکندر لودھی اور شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں حضرت خواجہ عبد الباقی چشتی رحمۃ اپنی کرامات اور خوارقِ عادات کے اعتبار سے ممتاز تھے۔ بدایوں میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی یادگار آپکی خانقاہ تھی۔ طالبانِ طریقت اور عارفانِ معرفت

کی ہمیشہ رہنمائی کرتے۔ حضرت احمد نجد شیبانی کے شاگرد رشید تھے اور مخدوم حضرت صفی خواجہ عبدالصمدؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۹۳۳ھ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار شریف پیر مکہ صاحب کی درگاہ کے جنوب میں واقع ہے۔

حضرت مولانا میراں جلال رحمۃ

سلطان سکندر لودھی کے عہدِ حکومت میں۔ اکابر علمائے عصر کی معروف شخصیتوں میں آپ کا بھی ممتاز مقام ہے حضرت شیخ عبداللہ کے شاگرد رشید تھے۔ عرصہ تک نواحِ ملتان میں اپنے استادِ محترم کی خدمت میں تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ اور بعد ازاں۔ اپنے آبائی وطن بدایوں مراجعت فرما ہوئے۔ آپ ہی کے فیض سے علمِ منطق و کلام ہندوستان میں رائج ہوا۔ آپ کا مدرسہ مرکز علوم تھا۔ اور درس و تدریس کا چشمہ ہر وقت بہتا رہتا تھا۔ آپ کے وصال کی کوئی مستند تاریخ نہیں مل سکی لیکن واقعات کے اعتبار اور ہم عصر علماء و فقہا کی وفات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ظنِ غالب ہے کہ آپ نے ۹۰۰ ہجری کے آخری دور میں دائمی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت صفی خیرآبادی رحمۃ

قطبِ زماں حضرت مخدوم سعدالدین خیرآبادیؒ کا اصل وطن اناؤ تھا۔ آپ اولیائے کاملین میں سے ہیں۔ آپ کے والد قاضی بدھن رحمۃ قاضی شہر تھے۔ آپ حضرت قطب عالم شاہ مینا قدس سرہٗ کے مقبول ترین خلیفہ ہیں۔ خیرآباد میں آج تک آپ کا خصوصی فیض جاری ہے جسکی بدولت رشد و ہدایت کے بزرگ مشاہیر عالم وجود میں آتے رہتے ہیں۔ مزار شریف خیرآباد میں مرجع خلائق ہے۔

سیّد العرفاء

شیخ الاولیاء۔ عالم ذیجاہ۔ بدرِ طریقت

مخدومِ جن و بشر

سیّدنا حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ

رحمۃ اللہ علیہم

جدِّ امجد۔ حضرت مخدوم اولیاء کا آبائی وطن۔ سامانہ" تھا۔ جو پنجاب کی ریاست پٹیالہ میں واقع ہے۔ سلاطین وسطیٰ کے دور میں یہ ایک صوبہ تھا۔ لیکن آجکل۔ کرم گڑھ کا ایک قصبہ ہے۔ اور پٹیالہ شہر سے جنوب مغرب میں قریب سولہ ۱۶ میل کی دوری پر واقع ہے۔ آبادی پچیس ہزار افراد کے لگ بھگ ہے۔ نئی اور پرانی بہت سی خوبصورت عمارتیں۔ اس قصبہ کو منفرد بنائے ہوئے ہیں۔ آثار قدیمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر عظمت روزگار کا نمونہ تھا۔ قطب الدین ایبک سلطان معزالدین کیقباد و دیگر سلاطین۔ اُمراء اور رؤسا نے ہمیشہ اس شہر کو خاص اہمیت دی ہے۔ جسکی وجہ یہہ ہے کہ سامانی قبیلے کے لوگوں نے ہندوستان میں آکر "سامانہ" کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس لئے غزنی۔ بخارا۔ افغانستان وغیرہ سے جو بھی فاتح۔ عالم۔ صوفی۔ فقیہ۔ دُرویش اور اولیاء آتے۔ وہ پہلے سامانہ میں آکر سطوت ماوراالنہر سے مصافحہ کرتے اور چندے قیام پذیر ہوکر کسی اور خطے۔ علاقے اور شہر کی جانب اپنے قدم بڑھاتے۔

چونکہ جدِّ امجد حضرت مخدوم العرفا کا اسی شہر سے تعلق ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ سامانہ کے حالات پر روشنی ڈالی جائے۔ اور اس شہر کے بسنے کی وجوہات ظاہر کی جائیں جسے آجتک کسی مورخ نے قلمبند نہیں کیا۔ شاید اس خاموشی کی یہہ وجہ ہو کہ ازمنۂ قدیم کے سلاطین اسلام کے داخلی مناقشات منظرِ عام پر آتے ہیں۔ لیکن یہہ وہم محض تاریخ کے ساتھ زیادتی ہے۔ کیونکہ قدرت کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے وہ لیتی ہے اور بلا تخصیص و تفریق اپنی "شانِ کُن" کی تفسیر بیان کر دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو اسلام اقوامِ عالم میں کسطرح قبولیت حاصل کرتا

اور کافروں کی بستیوں میں توحید و رسالت کی نورانی شمعیں کیسے روشن ہوتیں۔

سامانی قبیلہ کے لوگ پریشان۔ نکبت زدہ اور افتاں وخیزاں عالم میں ہندوستان میں آکر پناہ گزیں ہوئے اور اپنے قبیلے کے نام پر کافروں کے علاقے میں۔ اسلام کے گہوارے "شہر سامانہ" کی بنیادیں ڈالدیں۔ جہاں بعد میں علماء فضلاء شرفاء صلحا۔ عقلا۔ اولیاء عارف اور متقی ہستیوں نے جنم لیکر چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجایا۔

سامانی قبیلہ۔

پہلی ہجری کے انتہائی آخر میں "سامان" نامی ایک شریف زادہ خراسان میں رہتا تھا۔ چونکہ حاکم وقت ایک دیندار مسلمان تھا۔ اس لئے ملک میں ہر طرف شعائر اسلامی کی ترویج و توقیر میں۔ دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی "سامان" نے شرافت نفس اور تائید غیبی کے سہارے یعنی مطالعہ میں وسعت پیدا کی اور سرمست الوہیت ہوکر حاکم خراسان اسد بن عبداللہ کے دربار جاکر حلقہ بگوش ہو گیا اور اپنا وقت ذکر و شغل میں گذارنے لگا۔ سامان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام بھی اسد تھا۔ اس لئے والئی خراسان اسد بن عبداللہ نے اسے اعلیٰ عہدہ پر فائز کر دیا۔

اسد بن سامان کے چار لڑکے تھے جنھیں خلیفہ عباسی بہت پسند فرماتے تھے چنانچہ ۲۰۴ھ ہجری مطابق ۸۱۹ء میں خلیفہ نے چاروں لڑکوں کو مختلف علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا۔

نوح کو سمرقند

احمد کو فرغانہ

یحییٰ کو چاچ - اور

الیاس کو - ہرات کی حکومت دیدی -

سب بھائیوں میں احمد حاکم فرغانہ عقل و تدبّر اور سیاست وقت کے اعتبار پر برتر و افضل تھا - اس لئے اُس نے جلد ہی نوح سے سمرقند لے لیا اور کاشغر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا - احمد کے دو لڑکے تھے ـــ نصر اور اسماعیل ـــ چنانچہ اسماعیل بن احمد نے ۲۹۰ھ ہجری میں صفّاریوں سے خراسان چھین لیا - طبرستان کے علوی امیر محمد بن زید کو شکست دی اور اسطرح اُن تمام ممالک پر بھی قابض ہوگیا جو ایک طرف صحرائے اعظم اور خلیج فارس کے درمیان واقع تھے اور دوسری طرف ہندوستان کی سرحد اور بغداد کے درمیان - ماوراالنہر میں اسماعیل کا اقتدار عروج پر تھا - اسکے دورِ حکومت میں بخارا اور سمرقند نے اس قدر ترقی کی کہ تہذیب و تمدّن اور علوم و فنون کا درس لینے ساری دُنیا کھنچی چلی آتی تھی -

اسماعیل کے بعد خُراسان و سیستان میں کچھ ایسے انقلابات آنے لگے جنکی وجہ سے "سامانیوں" کی طاقت گھٹنے لگی - اُنکے زوال کا سب سے بڑا موجب "دیلمیوں" کا عروج تھا - جو جنوبی ایران اور عراق کے جنگجو قبائلی تھے - اِنکا سردار "بویہہ" ۳۱۸ھ ہجری میں سامانیوں کی ملازمت چھوڑکر مرداویج زیاری کے دربار میں پہونچ گیا اور اسطرح "آلِ بویہہ" (دیلمی) کا ارتقاء شروع ہوا - علاوہ ازیں سامانیوں کے دربار میں - تُرک غلاموں کی کثیر تعداد رہا کرتی تھی - چنانچہ اسماعیل کی وفات کے بعد پچاس برس کے عرصہ میں سامانیوں کی سلطنت تنزل پذیر ہوکر صرف خراسان اور ماوراالنہر تک محدود ہوگئی

ترک غلاموں میں سے ایک کا نام الپتگین تھا جس نے ۳۸۴ھ ہجری میں غزنوی خاندان کی بنیاد ڈالی اور اُس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے جیحون کے جنوب میں واقع تھا اور جس پر سامانی قابض تھے۔ وادیٔ جیحون کے شمالی ممالک پر ترکستان کے ایک خانی امیر ایلک خاں نصر قابض ہو گیا۔

ایلک خانی اُمرا۔ ترک قبائلی سردار تھے۔ جو فرغانہ سے چین تک حکومت کیا کرتے تھے۔ جب یہ ماوراالنہر میں داخل ہوئے تو ۳۸۰ھ ہجری میں بخارا پر قابض ہو گئے اور پھر ۳۸۹ھ ہجری یعنی ۹۹۹ء تک سامانیوں کی حکومت کو ختم کر دیا البتہ ایک امیر یعنی ابو ابراہیم منتصر ۳۹۵ھ ہجری تک ایلک خانیوں سے جنگ کرتا رہا۔

سامانیوں نے کل ۱۳۰ برس تک حکومت کی اور جب تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔ سامانیوں کے چند اُمرا۔ منصور ثانی اور عبد الملک ثانی کی قیادت میں ایران اور افغانستان چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے۔ اور اسطرح پنجاب پہونچکر۔ پٹیالہ کے گرد و نواح میں اپنا ڈیرہ ڈال کر اُس بستی کی بنیاد ڈالی جسے "سامانہ" کہا جاتا ہے۔ اور جو تین سو برس کے عرصہ میں سطوت و شوکت میں امتیازی حیثیت حاصل کر گئی۔

چونکہ یہ بستی مسلمانوں کی خالص بستی تھی۔ اس لئے۔ سامانہ مرکز علم و فضل اور منبعِ بصیرت بن گیا۔ اطراف و جوانب سے شرفا و فضلا آکر آباد ہو گئے۔ چونکہ یہ شہر قطب الدین ایبک کی ذاتی جاگیر بھی تھا۔ اس لئے شمس الدین التمش کی نظامت اور حکومت میں جسطرح بدایوں مدینتہ الاولیا

بنا اسیطرح سامانہ کی عظمت و بزرگی کو بھی چار چاند لگائے گئے۔ سامانہ اور بدایوں کا یہی وہ رشتہ ہے جسکی وجہ سے بزرگانِ دین۔ بدایوں آکر مدینۃ الاولیا کے شہری بن گئے۔

ابتدا میں سامانیوں کو بھی تغلق کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنا پڑا مگر فیروز شاہ سوم کے دورِ حکومت میں یہ شہر خوشحال ہوگیا۔ اور بعد کی حکومتوں میں نمایاں طور سے مشہور واقعات کا مظہر ہوا۔ جہانگیر کے زمانے میں یہاں کافی دولت مند پارچہ باف رہا کرتے تھے جو شہنشاہِ وقت کے لئے مخصوص ملبوسات تیار کیا کرتے تھے۔

حسب دستور اس شہر نے بھی مختلف انقلابات دیکھے۔ لیکن ہمیشہ اپنی عظمت و برتری کا لوہا منوایا۔ خلیفہ محمد حسن وزیر اعظم پٹیالہ۔ پاکستان کے چیف جسٹس محمد منیر اور جسٹس عبدالستار اسی بستی کے چشم و چراغ ہیں۔ جہاں سرچشمۂ رشد و ہدایات۔ جدِّ امجد سیدنا حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ کی ولادتِ سعید نے انوار و برکات کی تجلیاں لٹائی تھیں۔

حضرت مخدوم کے جدِّ اعلیٰ قاضی رکن الدین سامانی رحمۃ نے اس بستی کو اس وقت شہری خصوصیات سے آراستہ کیا تھا۔ جب آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں سراج العلما بنکر شیخ الاسلام اور مفتی اعظم کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یہی وہ سنہری اور نور و عرفان کا ایمان افروز دور تھا۔ جب ہندوستان پر راقم الحروف کی والدۂ محترمہ کے جدِّ امجد حضرت بابا گنج شکر فرید رحمۃ حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اور حضرت خواجہ نظام الدین

محبوب الٰہی رضہ کے گوناگوں تصرفات، اور رشد و ہدایت، کا پرچم لہرا رہا تھا۔

امتداد زمانہ کہیئے یا حاسد و منافق تاریخ دانوں کی کوتاہ نظری کہ شیخ الاسلام مفتی اعظم حضرت قاضی رکن الدین رحمتہ کے اجداد و نسب کی تفصیلات تلف ہوگئیں ہوسکتا ہے کہ ان تفصیلات کو سامانہ یا بدایوں کے کسی خود غرض طبقہ نے ہی تلف کردیا ہو۔ بہرطور چند قلمی نسخوں اور کچھ پرانے بزرگوں کی سینہ بہ سینہ محفوظ اسناد و روایت سے یہہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ شیخ الاسلام سادات حسینی سے ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ سے ملتا ہے یعنی چھٹی صدی ہجری (۵۶۱ھ سن وفات حضرت شاہ گیلاں) سے آٹھویں صدی ہجری تک کی قریباً دو تین نسلیں قلمبندی سے حذف ہوگئیں۔ بہرطور حقائق پھر حقائق ہیں اور عارفین ہمیشہ مفتخر رہیں گے۔

حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمتہ کا سلسلۂ نسب جو شہ گیلاں رحمتہ سے شروع ہوکر، سامانہ سے ضبط تحریر میں آیا۔ درج ذیل ہے۔

۱۔ شیخ الاسلام سیدنا قاضی رکن الدین رحمتہ

۲۔ سیدنا حضرت زین الدین رحمتہ

۳۔ سیدنا حضرت نجم الدین رحمتہ

۴۔ سیدنا حضرت جمال الدین رحمتہ

۵۔ سیدنا حضرت کمال الدین رحمتہ

۶۔ سیدنا حضرت جلال الدین رحمتہ

۷۔ سیدنا حضرت شرف الدین رحمتہ

۷۔ سیدنا حضرت شرف الدین رحمتہ

۸۔ سیدنا حضرت صدر الدین رحمتہ

۹۔ سیدنا حضرت محمد سلیمان رحمتہ

۱۰۔ سیدنا حضرت عبدالقدوس رحمتہ

۱۱۔ سیدنا حضرت عارف باللہ رحمتہ

۱۲۔ سیدنا شیخ الاولیا۔ سید العرفاء۔ مخدوم جن و بشر حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمتہ

سیدنا حضرت مخدوم عبداللہ۔ چونکہ عارف زادے تھے۔ اس لئے ابتدائے پیدائش سے ہی آپ پر سرمستی و بیخودی طاری رہا کرتی تھی۔

آپ جب سات سال کی عمر کو پہنچے۔ اس وجدانی کیفیت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ سامانہ کی سرزمین۔ اس عارف بے خود کے وجدان کی متحمل نہ ہو سکی۔ اسلئے آپ کے والد بزرگوار حضرت عارف باللہ نے آپ کو ملا محمد عثمان (جو آپ کے عزیز تھے) کے ساتھ دہلی روانہ کر دیا۔ تاکہ یہ گوہر آبدار خزینۃ الاولیاء بنکر جگمگائے۔

دہلی پہونچکر آپ نے وہاں کے ایک مدرسہ میں تجوید و قرأت کی تکمیل فرمائی قدرت نے سرمستی و بے خودی کے علاوہ ذہانت و خطابت کا جوہر بھی عطا فرمایا تھا اس لئے علمی استعداد میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی تا آنکہ مولانا حضرت شیخ لڈن دھلوی رحمتہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔

حضرت شیخ لڈن رحمتہ کے حالات تفصیل سے کہیں نہیں مل سکے۔ لیکن مفتی جمال دھلوی رحمتہ کے تذکرہ میں آپ کا بھی ذکر آیا ہے۔ مفتی صاحب قبلہ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور دونوں بزرگواروں نے اپنے والد مفتی نصیر الدین رحمتہ سے جملہ علوم عقلیہ۔ فقہیہ۔ کلام اور

تفسیر میں بے مثال عبور حاصل کیا تھا۔ اس لئے حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ کو بھی ان علوم پر کلی دسترس حاصل تھی۔

مابعد استاد گرامی مولانا حضرت شیخ لدّن کے حکم سے آپ آگرہ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا سید رفیع الدین محدّث رحمۃ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔

مولانا سید رفیع الدین رحمۃ کے آبا و اجداد۔ تمام تر علما و صلحا تھے۔ آپ معقولات میں مولانا جلال الدین دوانی رحمۃ اور حدیث میں مولانا شمس الدین محمد رحمۃ ابن سیدنا عبدالرحمٰن الخاوی والحافظ والمصری کے شاگرد رشید تھے۔ شیراز کے سادات کرام کے خلف۔ شیراز ہی میں پیدا ہوئے اور تعلیم و ہدایت سے بہرہ ور ہو کر سلطان سکندر لودھی کے زمانے میں دھلی چلے آئے۔ چونکہ سلطان کو آپ سے انتہائی عقیدت تھی اس لئے بادشاہ کی فرمائش پر آگرہ آکر سکونت اختیار کر لی۔ علم حدیث کو آپ نے ہندوستان میں پھیلایا۔ جلیل القدر علما آپکی درسگاہ میں حاضر ہو کر تعلیم و سند حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔ علم و فضل میں یکتا اخلاق و الطاف میں بے مثال اور جود و سخا میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمۃ نے یہیں سند حدیث حاصل کی

اسی زمانے میں حضرت میراں جلال رحمۃ بدایونی۔ استفاضۂ حدیث کے لئے آگرہ آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ نے آپ سے بھی فیض تلمذ حاصل کیا جس وقت آپکی مخفی خصوصیات اور اسرار و رموز کی دسترس پر نگاہ پڑی استاد شفیق نے فوراً ترک سکونت کا مشورہ دیا۔ حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ محدّث اعظم کی قربت سے دور ہونا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن جب حضرت میراں جلال رحمۃ کا اصرار بڑھا۔ مولانا سید رفیع الدین رحمۃ نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی جس کی تعمیل میں آپ حضرت میراں جی رحمۃ

کے ساتھ بدایوں تشریف لے آئے۔

بدایوں۔ اُن دنوں بھی علم و عرفان اور روحانیت و طریقت کا مرکز تھا۔ چونکہ قدرت آپ کی ذاتِ گرامی سے اس مردم خیز خطّے کی مزید جلا چاہتی تھی اس لئے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے آپ نے یہیں بود و باش اختیار کر لی اور خانقاہ حضرت سید میراں جلال رحمۃ میں درس و افاضہ کی خدمات انجام دینے لگے۔ اِسی دوران آپ نے سیدنا حضرت شیخ عبدالباقی چشتی رحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ذکر و شغل کے مزید طریقے حاصل کئے۔ پھر حضرت شیخ صفی خیر آبادی رحمۃ و دیگر مشائخ و کبائر کی خدمت میں حاضر ہو کر ریاضت و مجاہدے کے مقبول اسلوب کو سینہ سے لگایا۔ اور علمِ باطنی کو تکمیل پر پہنچایا

حضرت میراں جلال رحمۃ کے وصال کے بعد تمام علمائے بدایوں کے اصرار اور مسندِ درس کے وارث ہونے کی بنا پر۔ آپ نے حضرت میراں جی رحمۃ کے مرکزِ علوم کی قیادت سنبھال لی اور آخر عمر تک آپ اسی درسگاہِ عظیم میں درس و تبلیغ میں مصروف رہے

حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ کے شاگردوں میں ہندوستان کے بہت سے مشاہیر علماء و فضلا گذرے ہیں۔ ملّا عبدالقادر مورخ بدایونی کو بھی آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ موصوف نے شرح صحائف۔ علمِ کلام۔ کتاب تحقیق اور اصول فقہ کا آپ ہی سے درس لیکر اکبر اعظم کے نورتنوں اور عہدِ اکبری کے جملہ علماء سے افضل و برتر حیثیت کے مالک بنے۔ مورخ اعظم فرماتے ہیں کہ "میری موجودگی میں بڑی بڑی استعداد کے طالب علم درس میں شریک ہوتے تھے۔ اور طرح طرح کی دقیق اشکال پیش کرتے تھے۔ جنھیں حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمۃ آسانی سے حل فرما دیا۔۔۔ یا کرتے تھے۔ میری زندگی میں ایسا

کوئی موقعہ نہیں آیا کہ آپ کو کسی کتاب دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جملہ وقائق و دوائر ہر وقت آپ کے پیشِ نظر رہتے ہیں۔"

نہ صرف اطراف جوانب بلکہ ایران۔ خُمہ اسان۔ بخارا۔ سمرقند۔ بغداد۔ یمن وغیرہ سے بھی لوگ آکر سیدنا مخدومِ دوراں کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ آخر حال میں جذبہ غالب ہوا اور مجلس سماع میں قدم رنجہ فرمانے لگے۔ جب بہت بیتاب ہو جاتے چند قدم تک چہل قدمی فرماتے۔ کوئی رقص اور کوئی وجد نہ ہوتا کبھی کبھی شدتِ غلبۂ شوق میں نعرۂ جانگداز اگر منہ سے نکل جاتا۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے اور چند قدم دور جاکر لاحول پڑھتے اور رُک جاتے۔ پھر واپس اپنے مقام پر تشریف لے آتے۔

آپکی صورت سے فقر و غنا ٹپکتا تھا۔ اگرچہ بزرگوں سے ارشاد و تلقین کی اجازت ملی ہوئی تھی اور سندِ خلافت سے آپ شرف اندوز تھے۔ لیکن آپنے بیعت کا سلسلہ شروع نہیں فرمایا۔ آپ کسی کو اپنا مُرید نہیں بناتے تھے۔ اور طالبانِ سلوک کے ہر ایسے مطالبے کو پس پُشت ڈالدیا کرتے تھے۔ لوگوں کو ہر ایسے جذبے اور خواہش سے احتراز کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

سادہ مزاجی کا یہہ عالم تھا کہ اپنی روزمرہ کی ضروریات پاپیادہ بازار جاکر خود ہی خرید لیتے اور تمام اشیائے خانہ داری اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر لے آتے۔ لطف یہ تھا کہ اس خریداری کے دوران آپ تنہا نہ ہوتے تھے۔ بلکہ شاگردوں اور طلبہ کی ایک جماعت آپ کی جلو میں رہتی جسے درس دیتے جاتے اور دقیق مسائل کی تشریح و تفسیر فرماتے رہتے۔ شاگرد اصرار کرتے کہ اُنہیں خدمت کا موقع دیا جائے لیکن آپ مسکرا کر جواب دیتے کہ مخدوم کسی کو تکلیف نہیں دیا کرتے۔ آپنے کبھی کسی پر

سختی نہیں فرمائی۔ ہمیشہ اکابرین و مشائخ کا لباس زیب تن رہا کرتا تھا۔ مگر کردار و گفتار سے عجز و انکساری کی متاعِ بے پایاں کا مظاہرہ فرمایا کرتے۔

سیدنا حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمۃ اللہ نہ صرف انسانوں کو درس و ہدایت سے نوازتے تھے بلکہ قوم اجنہ بھی آپ کے حلقۂ ارادت، اور علم و افاضہ سے مستفیض ہوا کرتی تھی۔ قوم اجنہ کے علم میں بعض ایسے مقامات اور پوشیدہ ذخائر رہتے ہیں جہاں انسان کی پہونچ نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس قوم کے افراد نے بارہا آپ کو ان تمام مخفی خزینوں کے محل وقوع سے روشناس کرایا اور چاہا کہ آپ جو چاہیں لے لیں لیکن مردانِ طریقت اور پیرانِ سلوک و معرفت کا مقام بہت بلند ہے دنیا اور دنیا کے مراتب و مناصب اُنکے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے اس لئے جنات کی پیشکش کو آپ نے کبھی درخور اعتنا نہ سمجھا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ جب اجنہ کے سردار کے ایک لڑکے نے تعلیم مکمل کی تو آپ نے جواب دیا "ہمیں کچھ نہیں چاہیئے۔ ہمارے کچھ کھیت ہیں جن میں کاشت ہوتی ہے۔ سُنا گیا ہے کہ تمہاری قوم کے افراد اسکی پیداوار میں تصرف کر لیتے ہیں جسکی وجہ سے اجناس کم ہو جاتی ہیں۔ تم اپنے والد سے کہو کہ تمہاری قوم کے لوگ ہماری پیداوار کا نقصان نہ کریں۔"

سیدنا پیرِ طریقت کی اس فقیہانہ تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ مذکورہ آراضی اجنہ کی دست برد سے محفوظ ہو گئی۔ اور پیداوار بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یہ اراضی اب بھی مخدوم زادوں کے تصرف میں ہے اور متصل حوض قاضی (جہاں بدایوں کی داغ بیل ڈالی گئی تھی) واقع ہے۔ بہ نسبت دیگر ملحقہ قطعات اس آراضی میں نہایت عمدہ اور وافر مقدار میں پیداوار ہوتی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اسکا کیا عالم ہے

ہمارے علم میں نہیں۔ لیکن یقین واثق ہے کہ اولیا کی ملکیت میں کسی غیر مسلم کا تصرف خارج از بحث ہے۔

سیدنا حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمۃ کی اولاد بفضلہ تعالیٰ موجود ہے جسکا تفصیلی تذکرہ اگلے صفحوں میں کیا جائے گا۔ اس خاندان کے مخدوم زادوں کو غلط العام فصیح۔ کی ذیل میں "ملا" بھی کہا جاتا ہے حالانکہ اپنے جدِ امجد کے نسبی تعلق سے یہہ لوگ سادات حسینی ہیں جس کا تجزیہ اور تفصیلی تبصرہ سامانہ کے تذکرے میں کیا جا چکا ہے۔

دراصل لفظ "ملا" مولانا اور مولا کی بگاڑی ہوئی ترکیب ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ ملا عبدالقادر بدایونی مورخ اعظم دربارِ اکبری حضرت مخدوم رحمۃ کے شاگردِ رشید تھے اور اہالیانِ بدایوں پر انکا کافی اثر و اقتدار قائم تھا۔ اس لئے اندرون قلعہ حاسد قسم کے لوگوں نے اولاد و املاک عارفی کو "ملا" کا لقب دیدیا۔ مزید براں چونکہ اسلافِ مخدوم زادگان زیادہ تر درس و تدریس اور دینی فرائض انجام دینے کی وجہ سے اپنی املاک۔ اراضی اور وسیع تر باغات کی غور و پرداخت نہیں کر سکتے تھے اس لئے کچھ عرصہ کے لئے یہہ تمام رقبہ شیخ غوث محمد صاحب ملا کی زوجہ محترمہ اور انکے دونوں بیٹوں سعید احمد اور محمد احمد کی نگرانی میں رہا۔ یہہ دونوں صاحبزادے عرف عام میں ملا سیتو اور ملا کیتو کہے جاتے تھے۔ نماز روزے کے پابند تھے اور دیگر کاشتکاروں اور مالکانِ باغات کے برعکس زیادہ تر سربسجود رہا کرتے تھے اس لئے یہہ تمام اراضی "ملا والی" کہلائی جانے لگی۔ جب مخدوم زادوں نے اس املاک و اراضی کو براہ راست اپنے قبضہ میں لیا ملا کا لقب بھی انکی جانب منتقل ہو گیا۔

ایک اور سبب بھی مُلّا کا موجب ہے جس کا تعلق بھی مُلّا عبدالقادر بدایونی کے اس ایمان افروز بیباکانہ مظاہرہ اور جانِ تاریخ طرزِ عمل سے ہے جو موصوف نے دربار اکبری میں اختیار کیا اور جس کے باعث اسلام کی صحیح قدریں اُجاگر ہو کر اپنے اور پرائے کی دست بُرد سے محفوظ رہ کر آج ہندوپاک میں سربلند و مفتخر ہیں اور رہتی دُنیا تک انشاء اللہ رہبرانہ حیثیت سے سرخرو رہیں گی۔

شہنشاہ اکبر کے خوشامدیوں نے کبھی اُسے شیعہ بنایا اور کبھی مجتہد۔ آخر میں وحی۔ نبوّت۔ اعجاز اور کرامت کا حامل ظاہر کر کے شرع سے منحرف کرا دیا۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی کے سوا تمام درباری حکیم ہمام۔ حکیم ابوالفتح۔ راجہ بیربل۔ مُلّا محمد ایرانی۔ شیخ ابوالفضل فیضی وغیرہ بادشاہ کو زمین سے آسمان پر پہونچا رہے تھے۔ اسی دورِ ابتلا میں ایک دفعہ بادشاہ نے پوچھا کہ کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ علما نے چار سے زیادہ کا عقد ناجائز بتایا۔ بادشاہ کا منشا مُتعہ کا تھا۔ رمز شناس موجود تھے اُنہوں نے سوہیر پھیر کر کے اِسکو جائز اور مُباح قرار دیا۔ بعض ایسے بھی سرپھرے تھے۔ جنھوں نے اٹھارہ بیویاں تک قرآن کے حکم کے مطابق جائز بتائیں بادشاہ نے مُلّا عبدالقادر سے رائے پوچھی۔ حضرت مورخ جھلّا اُٹھے اور فرمایا "یہہ جو کچھ ہو رہا ہے سب قیل و قال ہے۔ اصل یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اور شیعہ حضرات کے نزدیک بالاتفاق مُتعہ مباح ہے لیکن امام شافعی اور امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام ہے۔ اب بادشاہ کی مرضی ہے۔ جسپر چاہے عمل کرے۔ پیران شیخ مبارک ناگوری کو یہ بیباکی ناگوار گزری۔ لیکن شہنشاہ لاجواب ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ لوگ "ایں گفتنیٔ مُلّائے بدایوں است" کہہ کر کسی دوسرے موقعہ کی تلاش میں رہنے لگے

تاکہ حضرت مُلّا عبد القادر بدایونی کو زک پہونچا سکیں۔ قدرت کو حضرت عبد القادر کا بھرم رکھنا تھا اور تمسخر اُڑانے والوں کو سزا دینی مقصود تھی اِس لئے جلد ہی دوسرا موقعہ آگیا۔

چند دن بعد اکبر نے زچ ہو کر اور عقائد بد کی بنا پر اپنے آپ کو جب دعوائے رسالت سے منسوب کیا۔ مُلّا عبد القادر صاحب کو بلایا اور کہا "تم میری رسالت کی تصدیق کرو (نعوذ باللہ) فیضی اور فضل اس قطعہ کو عوام میں ترویج دے ہی رہے ہیں"

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد
یک نبی رفت بجائے دگرے پیدا شد

یہ تمام خرافات سُنتے ہی حضرت مورخ اعظم کو جلال آگیا لیکن مصلحت وقت سمجھ کر اپنا غصہ پیتے ہوئے فرمایا کہ

"میرے ایک بزرگ استاد حضرت سیدنا مخدوم عبد اللہ عارف باللہ بدایوں میں رشد و ہدایت کے علمبردار ہیں اُن سے اس معاملہ میں گفتگو کرنا چاہیئے"

اِدھر اکبر نے پروانہ شاہی بدایوں روانہ کیا اور اُدھر مُلّا عبد القادر نے یہہ نامہ بعد سلام کے لکھا کہ

حیف در حیف کہ شر البشرے پیدا شد
یعنی در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد

اور تفصیل واقعہ سپرد قلم کرتے ہوئے تکلیف توجہ کی درخواست کی۔

پروانہ شاہی کے ساتھ جب شاگرد رشید کی بیباک فطرت کا مرقع التجائے تشریف آوری کے ہم آغوش صادر ہوا۔ حضرت مخدوم قدس سرہٗ رحمۃ رجوا مُراد بادشاہوں کو کبھی خاطر میں

نہ لاتے تھے چہ جائیکہ اُنکے دربار میں قدم رنجہ فرمائیں) نے دربارِ اکبری میں جانے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ ایک طرف تو تلامذہ کی عظمت، وحق پروری کا خیال تھا۔ اور دوسری جانب توحید و رسالت کی دعویداری کا سدِّباب اس لئے فیصلہ کرتے ہی فوراً رختِ سفر باندھا اور دربارِ اکبری میں مباحثہ و مناظرہ کے لئے جلوہ افروز ہو گئے۔

فیضی نے اپنی ہمہ دانی اور قربِ سلطانی کے زعم و غرور سے بدمست ہو کر آپ سے دریافت کیا کہ مسئلہ وحدتِ وجود کیا ہے۔ اس فقرۂ رعونت کو سنتے ہی حضرتِ قبلہ پر جلال کا عالم طاری ہو گیا۔ اور اسی جذبۂ سرمستی میں آپ نے فرمایا۔ "وحدتِ وجود یہ ہے کہ تیرا وجود فنا ہو" زبانِ فیض ترجمان سے بمشکل یہ فقرے نکلے تھے کہ فیضی کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اور سارے جسم پر بڑے بڑے آبلے اُبھر آئے۔ یہہ بدبخت سوزش و کرب کے سبب ماہیٔ بے آب کیطرح تڑپنے لگا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ تمام حاضرین راہِ فرار ڈھونڈنے لگے کہ کہیں ولی اللہ کی لگائی ہوئی آگ اُنہیں بھی جھلسا نہ دے لیکن اکبر کی موجودگی کی وجہ سے کسی کی ہمت نہ تھی کہ دربار سے اُٹھ سکے۔ جونہی جلال الدین محمد اکبر شہنشاہِ ہند پر۔ سراج الاولیاء۔ ناخدائے شریعت۔ میرِ دوراں اور پیرِ سلوک و طریقت کے جذب و جلال کا خوف طاری ہوا۔ وہ خود تخت سے نیچے اُترا۔ اور سر جھکائے ہوئے لرزتا کانپتا محل سرا میں چلا گیا اسکے جاتے ہی تمام درباری سراسیمگی کے عالم میں منتشر ہو گئے ماسوائے ابوالفضل۔ جو اپنے بھائی کی زبوں حالی پر مبہوت بنا ہوا۔ نالاں و گریاں تھا معاً اُسے اپنے پیر کا خیال آیا۔ جو ہر مرض کو سلب کرنے کی دستگاہ رکھتا تھا فوراً اُٹھا اور اپنے پیر کو سارا ماجرا جا سنایا۔ اِن بزرگ کو جب حقیقتِ حال

معلوم ہوئی۔ اُنہوں نے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔" ابوالفضل۔ یہہ کوئی مرض نہیں۔ بلکہ ایک عارفِ ربانی کی زبان سے لگائی ہوئی آتشِ شعلہ زن ہے۔ اِسکا علاج میرے پاس نہیں۔ جاؤ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ فیضی کو اُن ہی سالکِ شریعت کے پاس لے جاؤ اور معذرت چاہو۔ ورنہ قیامت تک تمہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔"

چنانچہ فیضی کو حضرت سلطانُ العارفین مخدومِ جن و بشر کی خدمتِ اقدس میں لے جایا گیا اور نہایت عجز و انکساری کے ساتھ قصور کی معافی چاہی گئی۔ ولی کامل نے دُعا فرمائی جسکے اختتام سے پہلے سوزش میں کمی شروع ہو گئی اور دعائیہ خاتمہ پر جسم کے تمام سیاہ اور بدنما داغوں کا اثر اور وجود باقی نہ رہا۔ لیکن پیشانی پر ایک داغ رہ گیا۔ ابوالفضل اور فیضی دونوں نے اس بدنمائی کی دوری کے لئے بھی بے حد التجا و اصرار کیا۔ مگر مردِ طریقت نے اِس التجا پر توجہ نہ دی اور فرمایا۔" ایں نشانِ مردانِ خداست۔ باقی خواہد تا بروزِ حشر وحدتِ وجود داستانِ خود بگوید"

درباریوں نے جب یہ غیر ارادی کشف و کرامات دیکھی تو بہ واستغفار کرنے لگے اور شرک و بدعت سے کنارہ کش ہو کر شریعت کے متوالے بنگئے۔

اِس واقعہ کے بعد حضرت مورخ ابوالفضل اور فیضی جب بھی اکٹھے ہوتے حاضرین ازراہِ تمسخر فیضی کی پیشانی کی جانب اشارہ کر کے کہتے۔" ایں مُہرِ مُلّا ئے بدایوں ہست"

چنانچہ یہ جُملہ زبان زدِ خاص و عام ہو کر۔ مخدوم زادوں کو مُلّا کا لقب دلانے میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

مولانا عبد القادر بدایونی فرماتے ہیں کہ حضرت مخدومؒ کو ایک مرتبہ شبِ قدر کی زیارت بھی نصیب ہوئی تھی۔ نصف شب کے بعد جب یہ گھڑی آئی۔ تمام درخت سربسجدہ ہو گئے حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ اُسوقت ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے معاً اُٹھے اور اپنی تسبیح ایک جُھکے ہوئے درخت کی شاخ پر لٹکا دی اور پھر شغلِ ربانی میں محو ہو گئے۔ صبح کو فجر کی نماز کے بعد جب دیکھا گیا تو آپ کی وہی تسبیح درخت کی سب سے آخری اور اونچی باریک شاخ کی چوٹی پر لٹکی ہوئی تھی۔ اللہ اللہ مقامِ عارفاں مقبولِ رب ہے ۔!!!

تذکرۃ الواصلین میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ جدّا مجد رحمۃ ایک صاحب باطن۔ بدایونی سید زادے اور شیخ حبیب منگن بدایونی کے ہمراہ حضرت شیخ نظام الدین امیٹھی والؒ رحمۃ (جو مشائخ عظامِ وقت تھے) کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حضرت نظام الدین نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے قیام کی جگہ مقرر فرمائی۔ چنانچہ حضرت مخدوم علیہ الرحمۃ کے حصہ میں ایک مسجد کا حجرہ آیا۔ جہاں آپ نے قیام فرمایا۔ جب رات کا پہلا حصہ گذرا۔ آپ نے دروازے پر کچھ آہٹ پائی فوراً باہر نکلے اور دیکھا کہ اژدھے کی نسل کا ایک سیاہ سانپ حجرے کے قریب کھڑا ہے۔ آپ کو دیکھکر وہ واپس چلنے لگا۔ اور آپ حجرے میں چلے آئے۔ اُس رات تین مرتبہ یہی صورت حال رہی جس نے آپ کو بے چین کر دیا۔ اور تیسری آہٹ پر باہر آکر آپ نے سوچا کہ شائد اس موذی اور خطرناک اژدھے کو کوئی کام ہے جو بار بار حجرے پر آکر دستک دیتا ہے۔ چنانچہ آپ فوراً اُسکے پیچھے پیچھے چلدیئے۔ اژدھا ایک ہیبتناک جنگل میں داخل ہوکر اور ایک غار کے دھانے پر پہونچکر پھلین مارنے لگا قبلہ مخدومؒ کو یقین ہو گیا کہ یہ اُسکی جائے سکونت ہے۔ جس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے

جسکی وجہ سے یہہ موذی اندر داخل نہیں ہوتا۔ یہہ سوچکر آپ نے اس گڑھے پر اپنا عصا مارا۔ جسکے اثر سے مٹی کے تودے گر پڑے اور قبل اسکے کہ گڑھے کا منہ بند ہو۔ اندر سے ایک خطرناک قسم کا بہت بڑا بچھو باہر نکلا اور اپنا ڈنک اُٹھائے جنگل کی طرف بھاگ گیا بچھو کے فرار ہوتے ہی اژدھے نے سر اُٹھا کر مشکورانہ نظروں سے حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ کو دیکھا اور غار میں داخل ہو گیا۔

صبح ہونے پر یہہ تینوں حضرات۔ قبلہ شیخ نظام الدین امیٹھی وال رحمۃ کی خدمت میں تشریف فرما ہوئے۔ شیخ نے ہر ایک سے رات کے حالات دریافت کیے۔ حضرت عارف باللہ رحمۃ نے جب اژدھے کا قصہ سنایا شیخ موصوف مسکرائے اور وجد میں آکر فرمایا ——

"بہت عرصہ سے اِس اژدھے کا مسکن بچھو نے چھین لیا تھا۔ میں نے لوحِ محفوظ پر لکھا دیکھا کہ اِس اژدھے کی دادرسی مخدوم عبداللہ بدایونی رحمۃ سے متعلق ہے۔ اس لئے میں نے تمہیں علیحدہ قیام کی ہدایت کی اور اسطرح رات کو تمہارے ہاتھوں لوحِ محفوظ کی تفسیر مکمل ہو گئی۔"

ایک مرتبہ جب شیخ چاؤ رحمۃ۔ بیمار ہوئے اور مرض نے شدت اختیار کی تو بار بار آپکی زبانِ مبارک سے نکلتا تھا —— اے عبداللہ آئیے لوگوں نے جب یہہ پیغام حضرت مخدوم رح کو پہونچایا۔ آپ نے دریافت فرمایا —— کیا وہ یہہ کہتے ہیں کہ عبداللہ آدیں۔ یا عبداللہ آئیے یعنی ایک کو طلب کرتے ہیں یا دو کو —— جب کسی نے صحیح جواب نہیں دیا۔ آپ نے اپنے شاگرد حضرت جلال کاسی رح کو ساتھ لیا۔ جامعہ شمسی میں نمازِ جمعہ ادا کی اور ہر دو صاحبان حضرت شیخ چاؤ رحمۃ کے یہاں تشریف لے گئے۔ دونوں نے بہ یک وقت توجہ فرمائی۔ دستِ مبارک شیخ کے بدن پر ملے۔ اور دعا کی جسکے ختم ہوتے ہی شیخ کا وہ مرض دور ہو گیا۔

رجال الغیب کے سلسلے میں ملا عبد القادر مورخ بدایونی نے فرمایا کہ ۹۷۷ھ ہجری میں لکھنؤ سے بلگرام پہنچا۔ تاکہ حضرت سید عبد الواحد بلگرامی کی خدمت میں مشرف اندوز ہوسکوں۔ رات کو سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ چونکہ یہہ پہلی ملاقات تھی۔ حکم فرمایا کہ جذب وعشق کی گلکاریاں اگر دیکھنا ہے تو رات یہیں قیام کرو۔ تعمیلِ حکم سے سرتابی کی کہاں مجال وہیں ٹھہر گیا۔ اُسی شب حضرت مخدوم عبد اللہ عارف باللہ رحمۃ مثلِ رجال الغیب۔ بدایوں سے تشریف فرما ہوئے اور دونوں بزرگ سرمستی و بے خودی کے عالم میں ذکر و شغل میں مصروف ہوگئے۔ جوشِ مسرت سے مجھے یقین ہوگیا کہ میرے لئے۔ اگر شبِ قدر ہوسکتی ہے تو وہ یہی شب تھی۔

وہ عرش سے تا فرش برستا ہوا اک نور
وہ تہنیتِ ارض و سماوات کا عالم

زبدۃ العارفین سیدنا حضرت مخدوم عبد اللہ عارف باللہ رحمۃ کو جب وصالِ حق کی بشارت ہوئی۔ آپ نے اپنے معتقدین سے فرمایا ــــ "میری جنازے کی نماز وہ شخص پڑھائے۔ جسکی نمازِ عصر کی سُنّت کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ جب آپ واصلِ حق ہوگئے۔ آپکو غسل دیکر اور کفن سے آراستہ کرکے آپ کا گہوارہ باہر میدان میں رکھا گیا۔ اب لوگوں کو نماز کی فکر ہوئی چاروں طرف نگاہ دوڑائی گئی۔ حاضرین سے حسب وصیت مخدوم رحمۃ استفسار کیا گیا۔ لیکن کوئی ایسا فرد آگے نہ بڑھا۔ جو فریضۂ امامت ادا کرسکے۔ کافی وقت گذرنے کے بعد ایک سمت سے۔ ایک فرشتہ صورت بزرگ نمودار ہوئے اور نزدیک آکر جب اُنھوں نے اجتماع و قیام کا سبب دریافت کیا تو لوگوں نے جواب دیا کہ بموجب ارشادِ مرشد رحمۃ اُنہیں ایسے امام کی تلاش ہے جسکی عصر کی

سُنت کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔ یہہ سنکر وہ بزرگ مسکرائے۔ صفیں درست کرنیکی ہدایت کی اور فرمایا۔ "الحمدُ للہ کہ آجتک میں نمازِ عصر کی سنت کا پابند رہا ہوں"۔ چنانچہ نمازِ جنازہ نہایت عزّ و احترام کے ساتھ ادا کی گئی۔ اب مدفن کے مقام کی تلاش ہوئی کیونکہ حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے اُس جگہ دفن کیا جائے۔ جہاں عالم رویا میں رسالت مآب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصائے مبارک زمین پر مارا تھا۔ اور وہاں سے پانی کا ایک چشمہ نظر آگیا جسکی نشاندھی فرمائی گئی تھی اور جہاں آبِ شیریں کے سوتے اُبل رہے تھے۔ اِس جوئے بابرکت کے نزدیک ایک کُشادہ مقام پر آپکو دفن کردیا گیا۔ حسب الارشاد نہ تو آپ کا مدفن پختہ کیا گیا اور نہ اُسپر کوئی چھت یا سائبان ڈالا گیا۔ چونکہ ایسی تعمیر کو نہایت سختی سے منع فرمادیا گیا تھا اس لئے لاکھوں عقیدتمندوں۔ ہزاروں صاحب ثروت و ذی اثرت گروں اور مخدوم زادوں کی یہہ آرزو آجتک کبھی پوری نہ ہوسکی۔ اگر کسی سر پھرے نے پوشیدہ طور پر کبھی ایسی جسارت کی بھی تو راتوں رات اُسکی تعمیر نہ صرف منہدم کردی گئی بلکہ متعلقہ ہستی کو حدودِ حکمی کی سزا بھی بھگتنا پڑی۔

بحمد اللہ عصائے محمدی سے پیدا شدہ۔ وہ چشمہ آج بھی جاری ہے۔ لیکن اب وہ ایک عمیق کنویں کی شکل اختیار کرچکا ہے اور صدیوں سے لوگوں کی پیاسوں کو بجھا رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ کھیتوں اور فصلوں کی آبیاری بھی کرتا رہتا ہے۔ جسکے کنارے مزارِ مقدسہ ابتک بغیر کسی تزئین۔ سائبان اور چھت مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے جو لوگ زیارتِ مطاہرہ کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور جنگل کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ دور ہی سے سلطان العارفین کے

مزار اور چبوترے پر بے شمار مشعلیں روشن دیکھکر اپنے قلب و نظر کو منوّر کرتے ہیں۔ لیکن جب مزار شریف کے قرب میں پہونچتے ہیں۔ سوائے نورِ صبح اور کچھ نظر نہیں آتا

جنکے رُتبے ہیں سوا۔ انکی سوا مشکل ہے

حضرت عارف باللہؒ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں دورانِ درس و تدریس اردو زبان کی ترویج و ترقی میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔ حضرت کی زندگی کے اس پہلو کا ذکر فرماتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی اپنی کتاب "نقوشِ سلیمانی" کے صفحہ ۵۴ پر رقمطراز ہیں۔

موجودہ صوبہ جات متحدہ کی مادری زبان بھی اس عہد میں اس قسم کی ہندوی یا ہندوستانی تھی۔ بدایوں جو مغلوں سے پہلے ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا وہاں کے عبدالقادر جنھوں نے ۱۹۰۴ء میں اپنی تاریخ لکھی ہے اسوقت کے ایک نود سالہ (۹۰ سالہ) کی ولادت استاد شیخ عبداللہ بدایونی کا حال لکھتے ہیں کہ بچپن میں وہ استاد سے بوستاں پڑھ رہے تھے شعر آیا

محال است سعدی کہ راہ صفا توال یافت جز از پئے مصطفےٰ

پرسید کہ معنی ایں چیست بزبانِ ہندی بیان کنید چو معنی آں گفتہ...

آپ کا وصال بعمر ۹۸ سال ۱۰۰۸ھ ہجری میں مدینۃ الاولیا کے محلے مولوی ٹولہ میں اُس گھر میں ہوا۔ جو راقم الحروف کی جائے پیدائش ہے اور جس کا تہہ خانہ عبادت گاہِ مخدوم کی برکتوں سے ہمیشہ منوّر رہا ہے۔

حسب بشارت سید الانبیاؐ۔ آپ کا مزارِ مبارک اپنے ملکیتی آموں والے باغ۔ متصل حوض قاضی۔ انوار و برکات کا منبع و مخرج بنا ہوا ہے۔

اذکار مخدوم زادگان

عم زادے۔ برادرم قبلہ ضیاء القادری بدایونی نے۔ اپنی کتاب۔ تاریخ اولیائے حق کے اختتام پر۔ خدائے کن جذبات کے تحت۔ خاندانِ مخدوم زادگان کے تسلسل کو آخری دور سمجھا۔ اور تعداد افراد خاندان کو مائل بہ زوال بتایا جبکہ بفضلِ ایزدی اور بہ برکت سید العارفین حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمۃ یہ خاندان اب بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ ہاں نظامِ کائنات کے تابع۔ بزرگ ہستیاں ہم سے جدا ہوگئیں لیکن اسے خاندانی زوال نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ابتدائے آفرینش سے ایسا ہی ہوتا چلا آتا ہے۔ حضرت آدم سے لے کر سیدنا حضرت ختم المرسلین تک۔ کوئی بھی نبی یا رسول غیر فانی نہ ہو سکا۔ لیکن اُنکی اُمتیں۔ آج بھی دار المکافات میں سرگرم عمل ہیں۔ ہم بھی اسی اصول کے تابع فرمان ہیں اور رہیں گے۔ دورِ ابتلا ہر فرد۔ قوم قبیلے اور خاندان پر آتا ہے جسکے تحت وقتی طور پر انتشار پھیل جاتا ہے تقسیمِ برصغیر کے وقت۔ ہم پر بھی یہ دور آیا اور ہم منتشر ہو گئے۔ کوئی پنڈی جا بسا تو کوئی لائل پور کوئی لاہور رہا تو کوئی کراچی۔ کوئی ڈھاکہ گیا تو کوئی بلوچستان۔ جسطرح "سامانہ" سے ہمارا خاندان۔ بدایوں۔ لاہور۔ ملتان۔ جھنگ اور دیگر مقامات پر جاکر آباد ہوا۔ اسیطرح مخدوم زادگان بدایوں بھی ہجرت پذیر ہوئے۔ چونکہ یہ ہجرت غیر منظم تھی۔ اس لئے انتشار لازمی تھا۔ جب سبکو سکون حاصل ہوا ایک دوسرے کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے اور بفضلہ تعالیٰ سبکو سبکی خبر ملگئی۔ اسلام ابتدائے آفرینش سے مہاجر رہا ہے۔ ہمارا خاندان بھی "مہاجر سامانہ" ہے اور اب پاکستان بننے کے بعد ہمیں ایک مرتبہ پھر سنتِ اجداد ادا کرنی پڑی۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یعنی

ہلاک تخریب میں تعمیر نو ہوتی ہے پوشیدہ
ترو دلِ برق کو تمہیدِ نظم آشیاں کر لیں

مخدوم زادگان میں ایسا کوئی فرد نہیں ہے جسنے اپنی کھوئی ہوئی املاک کا نعم البدل اور علم و فضل حاصل نہ کر لیا ہو۔ اکثریت ایسے افراد کی ہے۔ جو "سپوت" بنکر مخدوم زادوں کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اس لئے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ضیاء القادری صاحب نے اپنا دل کیوں تھوڑا کر لیا جبکہ ایک مخدوم زادے کی حیثیت سے اُنہیں مفتخر ہونا چاہیئے کہ بزرگوں کے تصرفات ہمیشہ ہمارے نگراں و محافظ رہے ہیں اور رہیں گے۔ یہی وجہ کھلی ہوئی حقیقت بنکر مُعلّن ہے کہ بفضلہ تعالےٰ ہمارے خاندان کا ہر فرد۔ عزت و آبرو اور کوئی جان گنوائے بغیر پاکستان میں زندہ و سلامت آکر مقیم ہوا۔ مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمہ کی خوددار اولاد۔ نکبت و امتداد سے نہیں گھبراتی اور رشتون دبین کو اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیتی۔ خاندانِ مخدوم زادگان جسطرح پہلے مفتخر تھا۔ اُسیطرح اب بھی سربلند رہے گا۔ انشاءاللہ

منسلکہ شجرہ نسب سیدنا مخدوم العارفین کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت کی چوتھی پُشت میں سیدنا مولانا عبدالواحد رحمۃ گذرے ہیں جنکے دو صاحبزادے تھے مولانا عبدالواحد اور مولانا عبدالباسط۔ سب سے پہلے ہم مولانا عبدالواحد کا تذکرہ کریں گے جنکا خاندان بہت مختصر ہے۔

مولانا عبدالواحد کے صاحبزادے مولوی خلیل الدین اُنکے پسر مولوی خیرالدین اور اُنکے صاحبزادے مولوی ظہیرالدین کے چار بیٹے تھے۔

منشی مظہر حسین[1] - منشی صدر الدین[2] - منشی ظہیر الدین[3] اور منشی نظیر الدین[4] -

(۱) منشی مظہر حسین بڑے شفیق اور محبت کرنے والے انسان تھے - رؤسائے شہر سے تعلقات رکھتے تھے - ہر ایک آپکی عزت و تکریم کرتا تھا علم مجلسی میں بے نظیر تھے منصف عین الدین اور حکیم سعید الدین فرشوری آپ کے ہم جلیس اور قدردان تھے تقریباً اسی سال کی عمر میں وفات پائی - منشی ذاکر حسین و منشی اظہار حسین دو صاحبزادے تھے - انکے علاوہ دو صاحبزادیاں بھی پیدا ہوئیں -

منشی ذاکر حسین صاحب سروے میں ملازم تھے پنشن لیکر بدایوں آ گئے - ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے منشی دیدار حسین اور منشی سردار حسین آپکی یادگار تھے ہر دو صاحبزادے عالم جوانی میں فوت ہو گئے - اس لئے آپ کا سلسلہ ختم ہو گیا - دوسرے صاحبزادے منشی اظہار حسین بھی لاولد فوت ہو گئے اور اسطرح منشی مظہر حسین کا سلسلہ اولاد ختم ہو گیا -

(۲) دوسرے صاحبزادے منشی صدر الدین بہت مقدس اور بزرگ ہستی تھے آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی - ایک لڑکی فوت ہو گئی اور دوسری صاحبزادی سے مولوی محمد حسین قادری بدایوں کے مشہور و معروف نعت خواں بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں اور انکی اولاد کا سلسلہ قائم ہے -

(۳) تیسرے صاحبزادے منشی ظہیر الدین تھے اور بدقسمتی سے وہ بھی بے اولاد فوت ہوئے

(۴) چوتھے صاحبزادے منشی نظیر الدین جنگ آزادی سے پہلے شاہی سواروں کی فوج میں ملازم تھے انگریزوں سے مقابلہ میں زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے ایک پیر ٹوٹ گیا - چونکہ گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لئے روپوشی کی وجہ سے علاج

و معالجہ نہ کرا سکے جسکے نتیجہ میں پیر خشک ہو گیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے عام معافی کے اعلان کے بعد بدایوں آکر مولانا عین الحق فضلِ رسول قادری رحمۃ کے مرید ہونیکا دعویٰ کیا۔ اور اعمالِ سفلی کے درویش بنکر زندگی گذارنے لگے۔

آپ کے چار صاحبزادے۔ منشی آلِ حسن۔ اولاد حسن۔ منشی ننے اور حکیم احمد حسین تھے۔ پہلے اور تیسرے لڑکے لاولد فوت ہوئے۔ منشی آلِ حسن نہایت شیریں سخن اور ذہین انسان تھے۔ ضلع کلکٹر کے اردلی عملے کے انچارج تھے۔ اسلئے لوگ آپ کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے۔

موصوف نے حضرت مخدوم العارفین رحمۃ کے مزار پر اندرونی احاطے کی پختہ دیوار کو منہدم کرا کر تعمیر مسجد کا ارادہ کیا جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ آپ کا یہ فعل ہدایت عارفانہ کے قطعی خلاف تھا۔ اسلئے آپ تباہی و بربادی میں مبتلا ہو گئے ملازمت سے علیحدہ کر دیئے گئے اور عرصۂ حیات آپ پر تنگ ہونے لگا۔ آپ کے چار لڑکوں منشی محمود حسین۔ مقبول حسین صادق حسین اور شوکت حسین۔ میں سے اول الذکر تینوں صاحبزادے جوانی میں لاولد فوت ہو گئے۔ صرف منشی شوکت حسین رہ گئے جنھوں نے طباعت میں سند حاصل کر کے اپنی زندگی گذاری۔

موصوف کے تین لڑکے۔ منشی عزیز حسین۔ سعید حسین اور عباس حسین پیدا ہوئے۔ منشی عزیز حسین کا انتقال ہو گیا۔ منشی سعید حسین کثیر العیال ہیں اور دہلی میں مقیم ہیں۔

منشی عباس حسین قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آ گئے اور اب وہیں سکونت پذیر ہیں۔ آپ کے دو لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ جن کا نہ تو نام معلوم ہے اور نہ حالات

اب ہم مولانا عبدالواحدؒ کے بڑے صاحبزادے سیدنا مولانا عبدالباسط رحمتہ اللہ علیہ کے ابد قیام اور ایمان افروز حالات و سلسلہ کا تذکرہ کریں گے جن سے موجودہ خاندان کا تعلق ہے۔

مولانا عبدالباسطؒ کے دو صاحبزادے مولوی محمد تفضل و مولوی محمد اشرف تھے چونکہ مولوی محمد تفضل کے دونوں صاحبزادگان مولوی خلیل اللہ اور مولوی سلیم اللہ کے متعلق حقائق کا پتہ نہیں اور نہ موصوف کی اولاد کا کوئی نشان ملتا ہے۔ اس لئے زیر نظر تذکرہ مولوی محمد اشرف رحمۃ کی ذات بابرکات سے وابستہ ہے اور اسی مرد کامل کی نسل ہندوستان اور پاکستان میں پھیلی ہوئی ہے۔

مولوی محمد اشرف رحمۃ کے چار صاحبزادے تھے یعنی مولوی غلام ارشد رحمۃ۔ مولوی غلام حضرت رحمۃ۔ مولوی غلام احمد رحمۃ اور مولوی غلام اصغر رحمۃ۔

مولوی غلام اصغر چونکہ لاولد فوت ہوئے اس لئے انکا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور بقیہ ہر سہ حضرات سے مخدوم زادوں کا خاندان عروج و ارتقاء کی جانب بڑھا جسکی تفصیل اور شجرہ منضبط ہیں۔

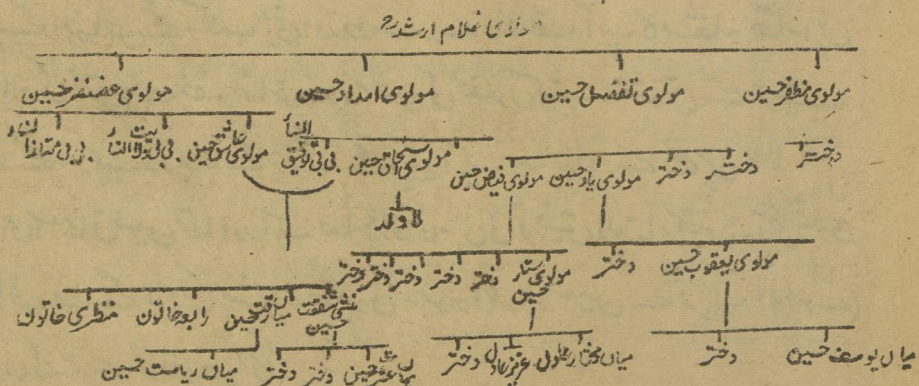

مولانا سیّد محمد اشرف رحمۃ ابن مولانا عبد الباسط رحمۃ کے بڑے صاحبزادے مولوی غلام ارشد رحمۃ تھے۔ جنھوں نے زہد و عبادت میں اپنی عمر گذار دی۔ مولانا عین الحق بدایونی کے مرید تھے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔

۱۔ مولوی مظفر حسین ۲۔

۲۔ مولوی تفضل حسین

۳۔ مولوی امداد حسین

۴۔ مولوی غضنفر حسین

(۱) مولوی مظفر حسین سروے میں ملازم تھے۔ پنشن کے بعد تقریباً ۸۰ (اسی) سال کی عمر میں وفات پائی۔ کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی تھیں جو سیّد مقصود حسین صاحب ساکن میراں سرائے کو بیاہی گئی تھیں۔ جنکے بطن سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ ایک سیّد مسرور حسین۔ دوسرے سیّد منظور حسین اور تیسرے سیّد محفوظ حسین سیّد منظور حسین صاحب کراچی میں مقیم ہیں اور بقیہ دونوں بدایوں ہی میں ہیں۔

(۲) مولوی امداد حسین اپنے والد کے دوسرے صاحبزادے۔ بڑی باغ و بہار قسم کے انسان تھے۔ کتب بینی اور دوسرے وظائف آپ کا مشغلہ تھا۔ اہل خاندان کی تقریبات خصوصاً خورد و نوش کی محفلوں کو بڑے شوق سے ترتیب دیتے تھے۔ رعب و دبدبہ کے بزرگ تھے آپکے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام مولوی اسحاق حسین تھا اور ایک صاحبزادی۔ بی بی توفیق النساء تھیں۔ آپکی شادی راقم الحروف کے دادا کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ مولوی امداد حسین نے قریب ۹۰ (نوے) سال کی عمر میں وفات پائی۔

مولوی اسحاق حسین سروے میں ملازم تھے اور پنشن کے بعد حج کی سعادت عظمیٰ سے بھی شرف یاب ہوئے۔ تین شادیاں کیں لیکن کسی سے اولاد نہ ہوئی۔ تسکین جذبات کی خاطر اپنی ہمشیرہ بی بی توفیق النساء کے بڑے صاحبزادے منشی شفقت حسین کو متبنیٰ کر لیا۔ آخر ش اشغالِ دنیوی سے جی اُچاٹ ہو گیا اور عبادتِ الٰہی میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے۔ اور اپنے والد کی زندگی ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور اسطرح مولوی امداد حسین صاحب کا سلسلہ نسب ختم ہو گیا۔

(۳) تیسرے صاحبزادے مولوی غضنفر حسین تھے۔ آپ بھی سروے میں ملازم تھے۔ نہایت وجیہ بزرگ تھے۔ دورانِ ملازمت جب آپ برما میں تھے۔ آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے صرف ایک صاحبزادے مولوی عاشق حسین ہیں اور دو صاحبزادیاں بی بی ولایت النساء۔ اور بی بی ممتاز النساء تھیں۔ بی بی ممتاز النساء کی شادی مولوی امداد حسین کے صاحبزادے مولوی اسحاق حسین سے ہوئی۔ جو لاولد فوت ہو گئے۔ شوہر کے انتقال کے بعد آپ عرصہ تک زندہ رہیں۔

دوسری صاحبزادی بی بی ولایت النساء شیخ پناہ محمد صاحب کے عقد میں تھیں موصوفہ کے بطن سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑے لڑکے کا نام امیر دولہہ چھوٹے کا قیصر حسین۔ بڑی لڑکی کا انیس النسا اور چھوٹی کا تمیز النساء نام تھا۔ تیسری لڑکی کا صحیح حال معلوم نہیں۔ امیر دولہا صاحب راجپوتانے کی ریاست بانسواڑے میں ملازم تھے۔ وہیں شادی کی اور وہیں انتقال ہونے کی وجہ سے مزید حالات مفقود ہو گئے۔ قیصر حسین صاحب کی شادی منشی حضور احمد کی

صاحبزادی سے ہوئی۔ پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا میاں مظہر سعود آپ کی اولاد ہیں۔ حکیم محمد ابراہیم صاحب نقوی سہسوانی کی صاحبزادی سے سعود میاں کی شادی ہوئی۔ قیصر حسین صاحب بمعہ اہل و عیال فیڈرل بی ایریا کراچی میں مقیم ہیں۔

مولوی غضنفر حسین کے صاحبزادے مولوی عاشق حسین کی شادی مولوی امداد حسین کی صاحبزادی اور مولوی اسحاق حسین کی ہمشیرہ بی بی توفیق النساء کے ساتھ ہوئی۔ یہ خاتون نہایت وجیہہ پرشکوہ اور حورانِ بہشتی کی طرح مصفّا و مجلّی تھیں۔ عاشق حسین صاحب بھی سروے میں ملازم تھے۔ اور پنشن مل جانے کے بعد بدایوں میں آکر تجارت شروع کردی۔ آخر عمر میں دو تین ماہ مسلسل بیمار رہ کر ۱۹۴۴ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

انتقال سے پیشتر آپ اپنی اولاد کے فرائض شادی و بیاہ سے سبکدوش ہوچکے تھے۔ لیکن اپنے بڑے لڑکے منشی شفقت حسین کی جواں مرگی کا داغ لیکر مدفن میں گئے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے منشی شفقت حسین اور چھوٹے میاں رفاقت حسین۔ دو صاحبزادیاں عزیزہ رابعہ خاتون اور منظری خاتون بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں۔ منشی شفقت حسین نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی سید ابن علی ساکن چاہ میراں بدایوں کی صاحبزادی تھیں۔ جو میاں عشرت حسین کی پیدائش کے بعد انتقال کرگئیں۔ دوسری شادی منشی عبدالجلیل صاحب سہسوانی زمیندار موضع جادرہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے دو لڑکیاں۔ عزیزہ ثریا خاتون اور عائشہ خاتون ہیں۔

۶ رجب ۱۳۶۱ھ ہجری کو منشی شفقت حسین کی جواں مرگی کی وجہ سے دوسری بیوی نازنین فاطمہ۔ جوانی ہی میں بیوگی کے روح فرسا عالم سے ہم کنار ہوگئیں۔ جنھیں دیکھکر سخت صدمہ ہوتا تھا۔ باوجود تحریک متعلقین نے اس خاتون کا عقد ثانی نہیں ہونے دیا۔ چند باشرع حضرات نے اپنی داڑھی اور دستار کا حوالہ دیکر۔ سنت و شرع سے کھلی بغاوت شروع کردی۔ اور جبر منافقانہ سے کام لے کر موصوفہ کو نڈھال کردیا۔ آپ بڑی خوددار اور خداشناس خاتون ہیں۔ آجکل بدایوں میں راہبانہ زندگی گذار رہی ہیں۔

میاں عشرت حسین بمعہ اہل وعیال سندھ کے علاقے میں مقیم ہیں اور خوشحال زندگی گذار رہے ہیں۔ عزیزہ ثریا خاتون اپنے شوہر کے ساتھ کراچی میں مقیم ہیں جبکہ انکی چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ عائشہ خاتون اپنی والدہ کے ساتھ (جن کا تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے) بدایوں ہی میں رہتی ہیں۔

میاں رفاقت حسین۔ مولوی عاشق حسین کے دوسرے صاحبزادے تھے نازک اور لمبا قد۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ میرے تایا مولوی تصدق حسین صاحب کی تیسری بیوی کی بڑی صاحبزادی عزیزہ ہاشمی خاتون موصوف کے عقد میں آئیں۔ اور ان سے ایک صاحبزادے میاں ریاست حسین پیدا ہوئے تقسیم ہند کے بعد میاں رفاقت حسین بمعہ اہل وعیال کراچی چلے آئے جہاں پہونچکر آپ تپ دق جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوگئے۔ اور ۲۳ رجولائی ۱۹۵۱ء کو انتقال کرگئے۔

ہندوستان کے مایۂ ناز ادیب۔ بدایوں کے قابل فخر ابتدائی

گریجویٹ۔ تحریکِ خلافت کے مجاہد اور ہمارے دادا کی ہمشیرہ کے صاحبزادے سید محفوظ علی کے چھوٹے لڑکے سید سبط علی بی۔ اے سے عزیزہ رابعہ خاتون بنت مولوی عاشق حسین کی شادی ہوئی جن سے دو صاحبزادے سید مسعود علی اور سید منصور علی ہیں۔ عزیزی مسعود علی شادی شدہ۔ صاحبِ اولاد۔ اور اہل ثروت ہیں اور اپنے سارے گھرانے کے کفیل و ہمدرد ہیں۔ منصور علی اور دو لڑکیاں بھی فارغ التحصیل ہو کر سرخرو و شادماں زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ سب لوگ کراچی میں موجود ہیں۔

سید سبط علی صاحب ضعفِ بصارت کی وجہ سے خانہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ بڑی نورانی ہستی ہیں مذہبی جذبات۔ علمی قابلیت، خاندانی وجاہت اور رکھ رکھاؤ میں۔ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

مولوی عاشق حسین کی دوسری صاحبزادی منظری خاتون ہیں۔ میرے ماموں زاد بھائی مولوی تقی الدین صاحب سے اُنکی شادی ہوئی۔ شروع میں ہی پاکستان آگئی تھیں۔ مولوی تقی الدین۔ نہایت متقی۔ پرہیزگار اور سادہ مزاج صوفی منش انسان ہیں۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ ہیں لیکن قابلیت میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ کراچی میں اپنے ذاتی مکان میں مقیم ہیں۔ عزیزہ منظری خاتون و مولوی تقی الدین کے تین لڑکے۔ عرفان الدین۔ شہاب الدین اور عزیزی حبیب الدین سلمہ ہیں۔ تنویر فاطمہ اور پروین دو صاحبزادیاں ہیں۔

لڑکیاں شادی شدہ ہیں اور لڑکے ماشاءاللہ برسرِ روزگار ہیں۔

(۴) مولوی تفضل حسین۔ چوتھے صاحبزادے مولوی غلام ارشد کے ہیں۔ مقدس صورت اور نیک سیرت انسان تھے۔ جنگِ آزادی میں بادشاہی فوج کے ساتھ۔ انگریزوں سے جنگ کرتے رہے۔ کچھ عرصہ تک لاپتہ رہے جب عام معافی کا اعلان ہوا۔ بدایوں آ گئے اور دیگر اعزاء کے ساتھ۔ جدی باغ اور املاک کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ حضرت شاہ معین الحق فضل رسول رحمۃ کے مرید تھے۔ زیادہ وقت ذکر و شغلِ الٰہی میں گذارا کرتے تھے۔ تقریباً اسّی سال کی عمر میں۔ ماہِ صفر ۱۳۰۹ھ ہجری میں انتقال فرما گئے۔

آپ کے دو صاحبزادے مولوی یاد حسین اور مولوی فیاض حسین تھے اور دو صاحبزادیاں بی بی ممتاز النسا اور بی بی علیمن النساء تھیں۔ پہلے صاحبزادے مولوی یاد حسین کی شادی قبلہ عنایت حسین فریدی کی صاحبزادی بی بی مشکور النساء سے ہوئی۔ جن کے بطن سے ایک صاحبزادے مولوی یعقوب حسین صاحب ضیاء القادری بدایونی پیدا ہوئے اور ایک صاحبزادی بی بی اولادی خاتون تولد ہوئیں۔ مولوی یاد حسین کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ آپ عالمِ جوانی میں قبلہ ضیاء القادری کی پیدائش کے چار سال بعد۔ شوال ۱۳۰۴ھ ہجری میں واصل بحق ہو گئے۔ اور مولوی امداد حسین و مولوی عاشق حسین کیطرح۔ مولوی تفضل حسین کو بھی جوان بیٹے کا داغِ مفارقت برداشت کرنا پڑا۔

آپ حسین و جمیل خطوط رکھتے تھے اور پہلوانی جسامت آپکا طرۂ امتیاز تھی۔ فارسی میں اچھی خاصی استعداد رکھتے تھے اور علمی قابلیت کے اعتبار پر اپنے بھائیوں میں ممتاز تھے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے رات بھر

ایک جن سے کشتی لڑی اور زیر نہ ہوئے جسکی تفصیل یہہ ہے کہ ایک شب آپ حلوائی کی دوکان سے مٹھائی خرید رہے تھے۔ کہ ایک اجنبی آیا اور پہلے مٹھائی مانگنے لگا۔ مولوی یاد حسین چونکہ اجنبی سے پہلے آئے تھے اسلئے مُصر تھے کہ اُنکا پہلا حق ہے۔ چنانچہ حلوائی نے مولوی صاحب کو پہلے فارغ کیا۔ اسپر اجنبی بہت برہم ہوا۔ آپ مٹھائی لے کر آگے آگے جا رہے تھے اور وہ شخص پیچھے پیچھے تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد جب آپ مولانا یونس علی رحمۃ کے مکان کے سامنے والے کھیتوں کے نزدیک پہونچے۔ اجنبی آپ سے اُلجھ گیا اور اسطرح کھیت میں پہونچ گئے۔ تا آنکہ دست بدست لڑائی نے بڑھکر کشتی کی صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ آپ حد درجہ پسینہ سے تر تھے۔ لیکن وہ شخص کسی صورت آپ پر قابو نہ پا سکا تھا۔ لوگ کشتی سمجھ کر کھیت کے کنارے اکٹھے ہونے لگے بڑھتے ہوئے مجمع کو دیکھ کر وہ شخص یکایک نظروں سے غائب ہوگیا۔ اب آپکو احساس ہوا کہ ہو نہو اجنبی ضرور کوئی جن تھا۔ چنانچہ گھر آکر آپ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ آپ نے اپنے والد بقدر تفضل حسین سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کو مخدوم عبد اللہ عارف باللہ رحمۃ کے مزار پر بطور فریادی لیجایا گیا۔ خیال ہے کہ اُس جن کو اُسکے اس فعل کی سزا ضرور ملی ہوگی۔ لیکن آپ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکے۔

آپکی صاحبزادی بی بی اولادی خاتون قریب گیارہ سال کی عمر میں ہیضہ سے متاثر ہوکر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

آپ کے صاحبزادے مولوی یعقوب حسین ضیاء القادری اپنی خالہ کی گود میں پروان چڑھے۔ وہ اس لئے کہ آپکی والدہ آپ کو دو سال کا چھوڑ کر انتقال فرما گئیں۔ اور والد کا سایہ چار سال کی عمر میں آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ اس لئے آپ بجائے دادھیال۔ اپنی ننھیال میں پرورش پانے لگے۔ آپکی پیدائش غالباً رمضان المکرم ۱۳۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔

آپ نے لوئر مڈل تک تعلیم پائی۔ عربی اور دینی تعلیم مولانا مفتی امتیاز احمد اور مولانا شاہ عبدالرسول محب احمد رحمۃ سے حاصل کی جس کی ابتدا آپ کے خالو مولانا اسیر بدایونی رحمۃ کے ہاتھوں ہوئی ۱۸۹۶ء میں برما جاکر سروے میں ملازم ہو گئے اور واپسی پر مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ کے مرید ہو گئے۔ سروے کی ملازمت چھوڑ دی اور اپنا آبائی پیشہ درس و تدریس اختیار کیا۔ جسکی ابتدا اردو پرائمری سکول محلہ سوتھ سے ہوئی۔ ۱۹۱۲ء سے شاعری کی ابتدا کی اور مولانا اسیر بدایونی کے تصرفات کے سہارے اس صنف میں ترقی کرتے گئے شہرت کی ابتدا ایڈریا نویل کی فتح کے سلسلے میں مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے ایما پر ایک مسدس لکھنے اور پڑھنے سے ہوئی۔ جسے مولانا شوکت علی رحمۃ نے اپنے روزنامہ ہمدرد میں اشاعت پذیر فرما کر نمایاں سرد خروئی بخشی اُن دنوں آپ محکمۂ مال میں ملازم ہو چکے تھے اس لئے مسدس لکھنے کی پاداش میں کلکٹر بدایوں کے حکم سے آپ کو بدایوں سے تبدیل کر دیا گیا اور ہمیشہ کیلئے بدایوں میں آپکی تعیناتی پر پابندی لگا دی۔ چنانچہ پنشن ملنے تک آپ شہر بدر رہے۔

بیسویں صدی کی ابتدا سے رجبی شریف کا جلسہ آپ پابندی سے کر رہے ہیں ابتدا میں یہ جلسہ دیگر اصحابِ ذوق اور احبابِ وطن کی نگرانی میں ہوا کرتا تھا لیکن ۱۹۱۴ء سے آپ انفرادی طور پر رجبی شریف کا اہتمام کرنے آئے ہیں ۱۹۴۷ء میں محکمۂ مال سے آپ نے پنشن حاصل کی۔ شاعری میں آپ کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ آپ ہمیشہ نعتیہ کلام لکھتے اور پڑھتے ہیں لیکن آپ کے تلامذہ میں ہر دو قسم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا میں راقم الحروف بھی آپ کو اپنا کلام دکھایا کرتا تھا۔ ہند و پاک کے بہت سے مشاہیر شعرا کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے جن میں ماہر القادری اور شکیل بدایونی سرِفہرست ہیں۔ ترتیب حالات کے دوران اطلاع ملی کہ عزیزی شکیل بدایونی مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۰ء بروز دوشنبہ بعمر ۵۴ سال بمبئی میں انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

حق مغفرت کرے۔ عجب آزاد مرد تھا

مولانا نے کئی مذہبی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں "شاہنامۂ اسلام" بہت مشہور ہے۔

۱۹۴۹ء میں کراچی میں مجلسِ شیدائیانِ نبی قائم کی ہے۔ جسکے اجلاس پابندی سے کرتے رہتے ہیں ۱۳۶۷ھ ہجری میں آپ حج بیت اللہ کی سعادت سے فیضیاب ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ آپ پاکستان کے پہلے نمبر پر نامزد ہونے والے حاجی ہیں آپ کے ایک صاحبزادے میاں یوسف حسین اور دوسری اولاد میں عزیزہ رئیسہ خاتون ہیں۔ اور دونوں نادمِ تحریر لاولد ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ ان دونوں کو اولاد کی نعمت سے سرفراز کرے۔ آمین ثم آمین۔ ورنہ مولوی یعقوب حسین صاحب

ضیاء القادری کا سلسلہ ختم ہوتا نظر آتا ہے [1]

عزیزی میاں یوسف حسین سلمہٗ مرکزی حکومت میں کیبنٹ سکریٹریٹ میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ بی۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں۔ عزیزکی شادی میاں قیصر حسین کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آجکل راولپنڈی میں مقیم ہیں ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔

عزیزہ رئیسہ خاتون۔ مولوی اصغر حسین صاحب کو بیاہی گئیں۔ موصوفہ بھی لاولد ہیں۔ اپنے شوہر کے ہمراہ کراچی میں مقیم ہیں۔

مولوی تفضل حسین کے دوسرے صاحبزادے مولوی فیاض حسین صاحب تھے۔ جن کا مکان راقم الحروف کے آبائی مکان کی مغربی دیوار سے ملحق تھا۔ آپ نہایت خدا ترس اور مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے۔ بدایوں میں حضرت پیر فتاح صاحب قبلہ رحمۃ کے مزار کی افتادہ زمین پر آپ کی ایک بہت بڑی لکڑیوں کی ٹال تھی۔ آپ پابندی سے گیارھویں شریف کی فاتحہ کراتے تھے۔

کراچی آکر آپکی صحت خراب ہوگئی اور رفتہ رفتہ مختلف امراض نے آپکو گھیر لیا۔ آپ کے صاحبزادے عزیزی مولوی ستار حسین اور اہلیہ ہر وقت آپکی تیمارداری میں مصروف رہتے جسکے باعث زوجۂ محترمہ بھی بیمار پڑ گئیں۔ ۲۰ جون ۱۹۵۴ء کو چوبیس گھنٹے کے اندر دونوں میاں بیوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اسے مشیت کی ایک خاص ادا سمجھنا چاہیئے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر پہلے اہلیہ کو دفن کیا اور پھر شوہر کو۔ ایسے حادثات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

آپکی اولاد میں صرف ایک صاحبزادے مولوی ستار حسین ہیں۔ پانچ

[1] نوٹ:۔ دوران طباعت اس روح فرسا خبر نے مجھے حد درجہ متاثر کیا کہ مولانا ضیاء القادری مذظلہٗ ۱۶ اگست ۱۹۷۰ء بروز اتوار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا کئی عرصے سے مرض فراش تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صاحبزادیاں بھی ہوئیں لیکن اُن میں سے صرف ایک لڑکی عزیزہ صابرہ خاتون بفضلہ تعالیٰ زندہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔

مولوی ستار حسین ۱۳۴۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ چونکہ چند لڑکیوں کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے سب کے لاڈلے بنکر ناز و نعم سے پرورش پائی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ والدین نے انٹرمیڈیٹ بھی نہ کرنے دیا اور ہم سب لوگوں کے منع کرنے کے باوجود عزیزی ستار حسین کی شادی کردی۔ اور اسطرح اپنے جذبۂ شوق کی تسکین پر لڑکے کی تعلیم کی قربانی دیدی۔ سید عظمت علی ساکن سرائے میراں بدایوں کی صاحبزادی عزیزہ وقار فاطمہ آپ کے عقد میں آئیں جو ماشاءاللہ ہمہ صفت موصوف نہایت متقی و پرہیزگار اور سیدھی سادھی خاتون ہیں۔

کراچی آکر بہنوں کی بیماری تجہیز و تکفین۔ والدین کی بیماری اور انکی آخری رسومات کے سلسلے میں مولوی ستار حسین کو بے حد زیر بار ہونا پڑا۔ جس کے نتیجہ میں کافی عرصہ تک پریشان رہے۔ دُھن کے پکے اور ارادے کے مضبوط ہونے کی وجہ سے استقلال۔ محنت۔ پامردی اور ہمت کا دامن نہ چھوڑا۔ جسکے صلہ میں قدرت نے موصوف کے دن پھیر دیئے۔ اور اب ماشاءاللہ صاحب جائداد ہیں۔ مکانات اور دوکانات سے خاصی آمدنی ہوتی ہے۔ میٹرک بھی کرلیا ہے۔ لالوکھیت کراچی میں مقیم ہیں۔ کئی بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہ رہ سکا صرف ایک لڑکا عزیزی مختار حسین سلمہٗ بفضلہ تعالیٰ ماں باپ کی آنکھوں کا تارہ ہے۔ اور ابھی حال میں بڑے ارمانوں کے ساتھ عزیزی کی شادی بھی کردی گئی ہے۔ مولوی تفضل حسین صاحب کا نام زندہ رکھنے کے لئے یہی ہونہار اِس خاندان کی آرزوؤں کا مرکز ہے۔

مولوی ستار حسین نہایت وجیہہ۔ صحت مند۔ باشرع اور پرہیزگار ہیں مخدوم زادوں کے دبدبے۔ دردمندی اور ہمدردی کے جذبات سے وارفتہ رہتے ہیں۔ مولوی غلام ارشد کی نسل میں، آپ اور میاں یوسف حسین ابن مولانا یعقوب حسین ضیاء القادری ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ جبکہ تعلیم سطوت اور خاندانی نجابت کے اعتبار پر۔ لڑکوں میں عزیزی عشرت حسین ابن شفقت حسین وریاست حسین ابن رفاقت حسین نمایاں اور افضل ہیں۔ اسیطرح لڑکیوں میں عزیزہ رابعہ خاتون۔ اُنکی اولاد اور عزیزہ منظری خاتون اور انکی اولاد افضل ہے۔

مولوی غلام احمد رحمۃ

مولوی غلام سرور رحمۃ

- مولوی آل حسن
  - منشی محمد یعقوب لاہتہ
    - مولوی ظہور حسین
      - آصف بلال۔ عاصم حسن۔ درخشاں ظہور
    - مولوی محمد حسن
      - مسعود حسن۔ ایاز محمود۔ راشد محمود۔ تبسم عارفی۔ تبسم عارفی۔ لسیما عارفی۔ لحفظی عارفی
- مولوی احمد حسن
  - منشی محمود حسن
  - نہیدہ خاتون
  - شاہدہ خاتون
- مولوی سید حسن
  - منشی مجتبیٰ حسن
  - منشی مصطفےٰ حسن
  - دختر فوطہ شد
- بی بی مشیت النساء

مولانا سید محمد اشرف رحمۃ ابن مولانا سید عبدالباسط رحمۃ کے دوسرے صاحبزادے مولوی غلام احمد رحمۃ تھے۔ جن کے ایک صاحبزادے مولوی غلام سرور رحمۃ پیدا ہوئے۔ آپ ہمیشہ یادِ الٰہی اور ذکر و فکر ربانی میں محو رہا کرتے تھے۔ زُہد و اتقا آپ کی فطرت تھی۔ آپ کی اولاد درج ذیل ہے۔

۱۔ مولوی آل حسن ۲۔ مولوی احمد حسن

۳۔ مولوی سید حسن

۴۔ بی بی مشیت النساء

(۱) مولوی آلِ حسن اوائل عمری میں بدایوں سے چلے گئے اور پھر اُنکا کچھ پتہ نہ چلا۔ کافی مدت کے بعد پتہ چلا کہ آپ نے ہندوستان کے صوبہ بہار میں شادی کر کے وہیں سکونت اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ مولوی سید حسن آپ کے چھوٹے بھائی پٹنہ پہونچے اور بمشکل آلِ حسن صاحب کے صاحبزادے محمد یعقوب کو تلاش کر کے بدایوں لے آئے۔ یہہ صاحبزادے ابھی نوعمر ہی تھے۔ زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور چند ماہ بعد واپس پٹنہ چلے گئے۔ اُسکے بعد اُنکا کچھ پتہ نہ چلا۔

(۲) بی بی مشیت النساء کی شادی۔ خاندان سے باہر ہوئی۔ اس وجہ سے آپ کی دل جمعی نہو سکی اور زیادہ وقت اپنے بھائیوں کے پاس گذرا۔ طویل عمر پانے کے بعد بھائیوں کے پاس ہی انتقال ہوا۔ جبکہ اُنکی اولاد نرینہ میں علی حسین صاحب نے ہمیشہ آپ سے دوری ہی اختیار کی اور محلہ چاہ میراں میں سکونت پذیر رہے۔

(۳) مولوی احمد حسن۔ آپ مولوی غلام سرور رحمتہ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ پڑھے لکھے دیندار اور باوضع انسان تھے۔ محکمۂ افیون میں بدایوں ہی کے گرد و نواح میں ملازمت کرتے رہے اور پنشن لینے کے بعد ریاضت و عبادت میں مشغول ہو گئے تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے آئے اور اپنی اولاد کے ساتھ لاڑکھیت کراچی میں رہنے لگے۔ آخیر عمر تک زہد و استغنا کے پابند رہے۔ اور اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو خوشحال تعلیم یافتہ صاحب اولاد دیکھ کر مطمئن رہتے تھے۔ آخرش بچھتر سال کی عمر میں مئی ۱۹۵۱ء میں وفات پائی۔ آپ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

بڑے لڑکے مولوی ظہور حسن صاحب نے بدایوں سے اساتذہ کی ٹریننگ حاصل کی اور سند حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ مدارس میں تعلیم دیتے رہے۔ اردو فارسی میں علمی قابلیت بدرجہ احسن رکھتے ہیں۔ کراچی آنے کے بعد بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ باشرع ہنس مکھ اور ملنسار ہیں۔ صاحب اولاد ہیں اور بفضلہ خوشحال ہیں۔

دوسرے صاحبزادے مولوی محمد حسن دور حاضرہ کی تعلیم سے مستفیض ہیں اور خدا کے فضل سے ایم۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں۔ مستند ٹیچر ہونے کی حیثیت سے طلباء میں مقبول ہیں طرز تعلیم میں نمایاں مقام پایا ہے جسکی وجہ سے ہر ایک اسکول آپ کی قدر کرتا ہے۔ کراچی ہی سے پاکستان بننے کے بعد ایم۔ اے کیا اور وہیں ڈرگ روڈ کے ایک منظور شدہ ادارے میں ٹیچر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ماشاء اللہ بذلہ سنج ہنس مکھ ملنسار اور ہمدرد انسان ہیں۔ خاندان میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، حسن صورت اور طرز گفتار میں منفرد ہیں۔ اور اپنے تمام بھائی اور بہنوں میں نمایاں شخصیت رکھتے ہیں۔

تیسرے صاحبزادے منشی محمود حسین اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ لالوکھیت کراچی ہی میں مقیم ہیں۔ حسب دستور تربیت و تعلیم یافتہ ہیں۔ تجارت پیشہ ہیں۔ اور کپڑے کی تجارت میں اچھی خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ کراچی میں آکر شادی ہوئی ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ اور اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح ملنسار خلیق اور پرمغز ہیں۔

مولوی احمد حسن کی بڑی لڑکی شاہدہ خاتون ہیں۔ بدایوں میں سید گوہر علی ساکن چودھری سرائے سے آپکی شادی ہوئی۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد بمعہ شوہر اور اولاد کراچی آگئیں اور لالوکھیت میں مقیم ہیں۔ کثیر الاولاد ہیں۔ چار صاحبزادے عزیزی

ظفر علی۔ ظفر علی، انجم اور خالد ہیں۔ جبکہ عزیزہ شرمندہ۔ منی۔ بالو۔ بلقیس۔ شاکرہ اور قمر چھ لڑکیاں ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ساری اولاد کی ذمہ داریوں سے فارغ ہیں۔ حد درجہ ملنسار۔ ہنس مکھ اور رکھ رکھاؤ والی خاتون ہیں۔

مولوی احمد حسن جنکی دوسری صاحبزادی مہیدہ خاتون کی شادی بھی کراچی آکر ہوئی۔ آپ کے شوہر سید حنیف بخاری ہیں جو لکھیم پور یوپی ہندوستان کے رہنے والے ہیں عزیزہ صاحب اولاد ہیں۔

(۴) مولوی سید حسن صاحب مولوی غلام سرور رحمۃ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ پاکستان آنے کے بعد قریب ستر برس کی عمر میں۔ بمقام سکھر اگست ۱۹۵۱ء میں وفات پا گئے اور وہیں دفن ہوئے یعنی اپنے بڑے بھائی مولوی احمد حسن کی وفات کے بعد صرف دو ماہ زندہ رہے۔

رسم بسمیہ کے بعد راقم الحروف نے پانچ سال کی عمر میں مولوی سید حسن صاحب مرحوم سے تختی لکھنا اور عربی و اردو پڑھنے کی ابتدا کی تھی یعنی آپ میرے استاد اوّل ہیں۔ جنکے فیضِ درس نے مجھے علم و فضل کی دولت سے مالا مال کیا۔ اردو۔ فارسی اور عربی میں آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ سبکساری میں بے نظیر تھے۔ گفتگو میں قند و مزاح لٹایا کرتے تھے۔ اجمیر شریف میں بہ زمانہ عرس حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ قبلہ حافظ محمد موسیٰ چشتی تونسوی رحمۃ کے مرید ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے مخلص دوست جناب حیا صدیقی بدایونی بھی بیعت سے فیضیاب ہوئے۔ مرید ہوتے ہی۔ پیر کے تصرفات و توجہ نے آپ کی کایا ہی پلٹ دی۔ اور عبادت و ریاضت آپکی زندگی کا جز بن گئے کچھ عرصہ بدایوں رہنے کے بعد چالیس سال تک دربار خواجۂ اشرف اولیائے ہند

میں حاضر باش رہے۔ اور وہیں مدرسہ معینیہ میں ملازمت اختیار کر کے فارسی کی تعلیم دیتے رہے۔ جب ضعیفی کے آثار رونما ہونے لگے۔ بدایوں چلے آئے بعدہٗ پاکستان منتقل ہو گئے۔

آپ کو شاعری کا بھی ذوق تھا۔ افضل تخلص رکھتے اور ہمیشہ عارفانہ کلام کہتے تھے۔ افسوس کہ یہ مخلص۔ ہمدرد۔ باشرع۔ دیندار اور دردمند انسان ضعفِ بصارت وقویٰ کے باعث زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا۔

آپ کی اولاد میں دو صاحبزادے مجتبیٰ حسن اور مصطفےٰ حسن ہیں اور ایک صاحبزادی مومنہ خاتون تھیں۔ جن کا نکاح مولوی ظہور حسن ابن مولوی احمد حسن کے ساتھ ہونے کے بعد ہندوستان میں ہی انتقال ہو گیا۔

عزیزی منشی مجتبیٰ حسن۔ راقم الحروف کے بچپن کے دوست ہیں بڑے حسین وجمیل اور خوش فکر و خوش کلام ہیں۔ قد و قامت کے لحاظ سے وجیہہ و بارعب ہیں۔ گو اب بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں لیکن تمکنت کی پرچھائیاں ہمیشہ لہراتی رہتی ہیں۔ آجکل کراچی میں پاکستان نیوی کے شعبہ واچ اینڈ وارڈ سے وابستہ ہیں۔ آپ کے چار لڑکے میاں ارشد حسن، میاں افضل حسن۔ میاں سہیل حسن اور میاں پرویز حسن ہیں۔ جبکہ دو لڑکیاں عزیزہ نسیم و عزیزہ فہیم بفضلہٖ تعالیٰ سربلند ہیں

دوسرے صاحبزادے منشی مصطفےٰ حسن۔ تجارت سے دلچسپی رکھتے ہیں اور شاید آجکل سندھ میں مقیم ہیں۔ شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔ اپنے والد کی طرح عزیزی مصطفےٰ حسن بھی باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں۔ خاندانی دبدبہ اور دینداری موصوف کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

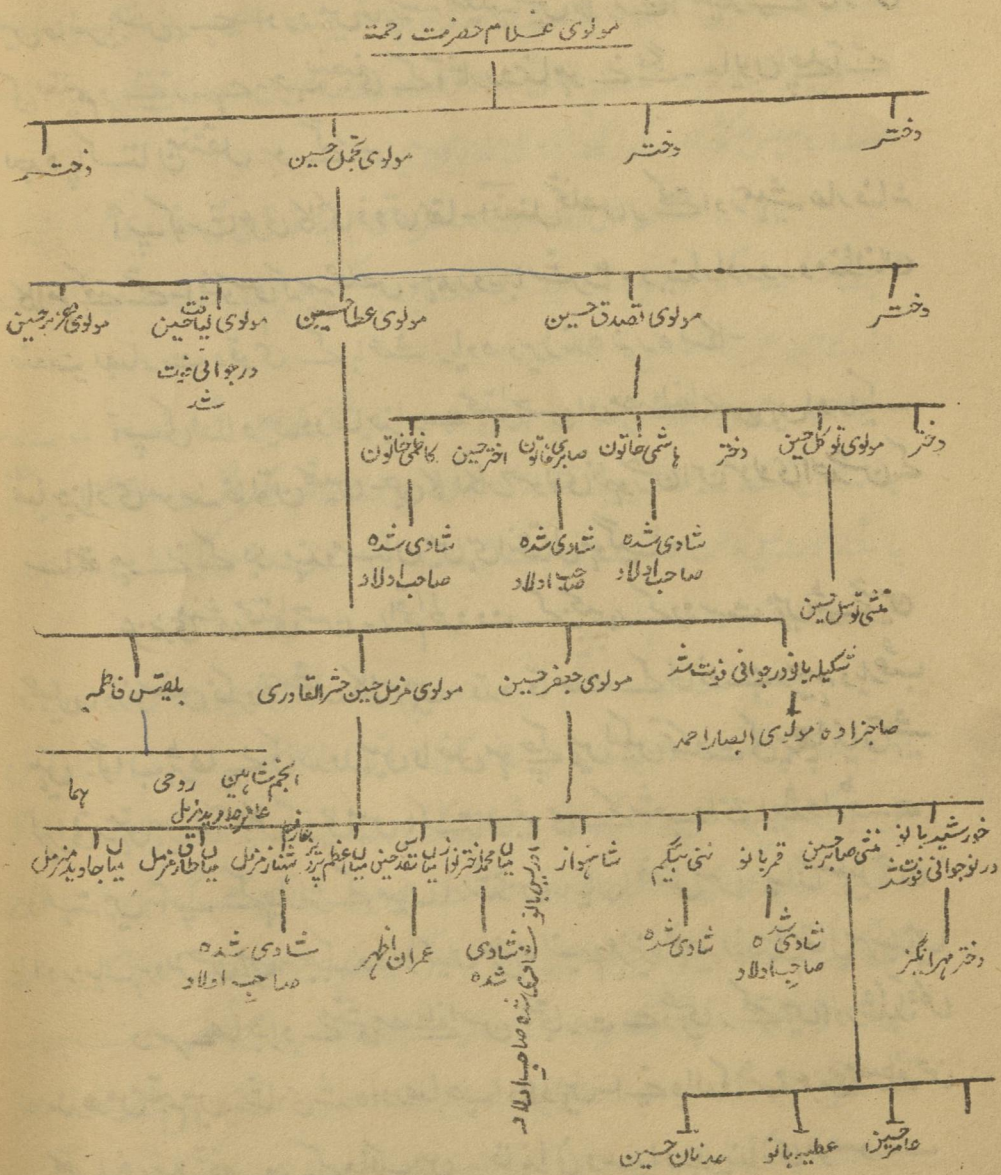
مولوی غلام حضرت رحمة
دختر
دختر
مولوی جمل حسین
دختر
دختر
مولوی تصدق حسین
مولوی عطا حسین
مولوی لیاقت حسین
در جوانی فوت شد
مولوی مظہر حسین
دختر
مولوی توکل حسین
دختر
ہاشمی خاتون
صابری خاتون
اختر حسین
کاظمی خاتون
شادی شدہ صاحب اولاد
شادی شدہ صاحب اولاد
شادی شدہ صاحب اولاد
منشی توسل حسین
شکیلہ بانو در جوانی فوت شد
صاحبزادہ مولوی ابصار احمد
مولوی جعفر حسین
مولوی مزمل حسین حشر القادری
بلقیس فاطمہ
انجم شاہین
روحی
ہما
علامہ جاوید مزمل
خورشید بانو در نوجوانی فوت شد
منشی صابر حسین
قمر بانو
نسی بیگم
شاہنواز
ادریس بانو
میاں محمد اختر نواز
میاں نقد حسین
میاں اعظم پرویز
میاں شہناز مزمل
میاں طارق مزمل
میاں جاوید مزمل
دختر مہر انگیز
شادی شدہ صاحب اولاد
شادی شدہ صاحب اولاد
شادی شدہ
عمران اظہر
شادی شدہ
عدنان حسین
عطیہ بانو
عامر حسین

سیدنا مولانا عبدالباسط رحمۃ کے خلیفہ رشید سیدنا مولوی غلام حضرت رحمۃ تھے جنکے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

۱۔ مولوی تجمل حسین رحمۃ

۲۔ دختر

۳۔ دختر

۴۔ دختر

(۱) ایک دختر مولوی امداد حسین صاحب کو بیاہی تھیں۔ جنکی اولاد کا ذکر مولوی غلام رشد رحمۃ کے تذکرے میں کیا جا چکا ہے اور جن کا سلسلہ نسب مولوی اسحاق حسین ابن مولوی امداد حسین صاحب کے لاولد فوت ہونے سے ختم ہو گیا۔

(۲) دوسری دختر سید کاظم علی کو بیاہی گئیں۔ جو سید محفوظ علی بدایونی کے والد بزرگوار تھے جنکے چھوٹے صاحبزادے سید سبط علی کا تذکرہ عزیزہ رابعہ خاتون بنت مولوی عاشق حسین ابن مولوی غضنفر حسین ابن مولوی غلام ارشد کے تذکرے میں کیا جا چکا ہے۔

(۳) تیسری صاحبزادی مولوی کبیر الدین صاحب کو بیاہی گئیں تھیں۔ جو راقم الحروف کے نانا تھے۔ قبلہ کبیر الدین صاحب کے دو صاحبزادے۔ مولوی ریاض الدین مولوی شفیع الدین تھے اور دو صاحبزادیاں بی بی خورشید النساء اور بی بی کلثوم النساء تھیں۔

بی بی خورشید النسا کی شادی سہسوان کے رئیس سید خورشید علی سے ہوئی تھی۔ جو بڑی نیک و پرہیزگار خاتون تھیں۔ لیکن قدرت نے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا۔ اس لئے تا دم آخر یتیموں۔ بیواؤں اور مسکینوں کی بھرپور امداد

وکفالت کرتی رہیں - اِدھر اولاد کی کمی کو سید خورشید علی صاحب نے مختلف پرندوں جانوروں - پہلوانوں - فنکاروں اور ضیافتوں کے اجتماع سے پورا کیا — اور — دونوں میاں بیوی اسی ذوق وشوق اور ریاضت وعبادت میں محو ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے - مرحومہ کے ایک پروردہ نظام علی صاحب کا خاندان آج بھی لائل پور اور کراچی میں پھول پھل رہا ہے -

دوسری صاحبزادی بی بی کلثوم النسار تھیں - جو میرے والد بزرگوار سید قبلہ مولوی عطا حسین رحمۃ کے عقد میں آئیں - پستہ قد - شکیل وجمیل - پرہیزگار - قدسیوں کی طرح حمد وثنا میں محو - عابد شب زندہ دار - تہجد گذار - ہر کسی کی مونس وغمخوار دردمند اور صاحب ذکر وفکر تھیں - آپکی لحن صبح گاہی ہم سبکے کانوں میں پڑ کر نمازِ فجر کی سعادت سے نوازا کرتی تھی - والد صاحب چونکہ زیادہ تر پردیس میں رہا کرتے تھے اس لئے اہل وعیال اور گھر بار کی تمام دیکھ بھال آپ خود ہی کیا کرتی تھیں پاکستان آکر راقم الحروف کے ساتھ ہی رہیں لیکن مٹی کراچی کی تھی - اس لئے بائیس سال میرے پاس رہ کر آخر وقت کراچی تشریف لے گئیں اور وہیں میرے بڑے بھائی قبلہ مولوی جعفر حسین صاحب کے مکان پر تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں تکیہ پر سر رکھ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں - دن بھی بہت مبارک یعنی جمعرات کا تھا - وقت صبح صادق - تاریخ ۲۹ رشوال ۱۳۸۹ھ ہجری مطابق ۸ رجنوری ۱۹۷۰ء تھی - وصال کے وقت آپکی عمر تقریباً اسّی سال تھی -

میری بدنصیبی کہ اُس دن صبح - جب مجھے کراچی سے ٹیلیفون کیا گیا میں سرگودھا گیا ہوا تھا - اس لئے - مجھے غیر حاضر پاکر - موصوفہ کو دفن کر دیا گیا -

اور اسطرح میں آخری دیدار سے محروم رہا۔ دوسرے دن کراچی پہنچا۔ لیکن اب وہاں۔ اُس شفیق ہستی کا تذکرہ ہی باقی رہ گیا تھا۔ یا اُسکی پاکیزہ روح کی نادیدہ پروازیں۔ راضی برضائے الٰہی ہوکر مرقدِ مبارک پر حاضر ہوا۔ اور تڑپتے ہوئے دل کی آرزوؤں کو کلامِ الٰہی میں لپیٹ کر پیش کرتا رہا۔ اس سے زیادہ ایک مجبور اور دور اُفتادہ اولاد کیا کر سکتی ہے۔ ایصالِ ثواب ہی تالیفِ قلب کا ذریعہ ہے۔ یہی ذریعہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ حسرتِ دیدار آخر۔ تادمِ زیست نشتر بنکر کھٹکتی رہے گی۔ جسکا نہ تو شکوہ ہی کیا جا سکتا ہے اور نہ گلہ۔

میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزی بلقیس بانو جو اپنے شوہر کے ساتھ راولپنڈی میں رہتی ہیں) ہوائی جہاز کے تنہا سفر کے باوجود اُفتاں و خیزاں اور آہ و بکا کرتی ہوئی جب کراچی پہنچیں تو وہ بھی والدہ محترمہ کے آخری دیدار سے محروم رہیں۔ اور اس طرح ہم دونوں بہن بھائی اپنی بدنصیبی کا ماتم ہی کر کر رہ گئے۔ اولاد کی اس سے بڑی دل ٹوٹی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو وقتِ آخر۔ لحد و مدفن تک نہ پہونچا سکے ہم دونوں سے زیادہ۔ خوش قسمت ہمارے بڑے بھائی۔ مولوی جعفر حسین۔ انکی اولاد اور دیگر دور و نزدیک کے مخدوم زادے ہیں جو مرحومہ کے آخری سفر میں شریک ہو کر۔ اُنہیں مرقد تک پہونچانے کی سعادت حاصل کر سکے جسکی ایک خاص وجہ یہہ ہے کہ والدہ محترمہ ہمیشہ فرمایا کرتی تھیں کہ "خدا مجھے ہاتھ پیر چلتے اُٹھائے اور میرے تمام عزیز و اقربا میرے جنازے میں شریک ہوں"۔ — تفقہ اکثریت اہالیانِ خاندان۔ چونکہ۔ کراچی ہی میں تھی۔ اِس لئے خدا نے اُنکی آرزو پوری کی — یہہ حقیقت ہے کہ میرے پاس لائل پور میں اتنے خاندان والے کبھی شریکِ غم

اور شریک تجہیز و تکفین نہیں ہو سکتے تھے۔

حضرت بابا گنج شکر فرید رحمتہ کی پوتی اور سیدنا میاں مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمتہ کی نواسی۔ یعنی خواتین میں اپنی نسل کی آخری نشانی۔ آج لیاری ندی کراچی کے کنارے ایک وسیع و عریض ٹیلے پر واقع قبرستان کی ایک پختہ ابدی آرام گاہ میں محو استراحت ہے۔ معبود اُنکے تصرفاتِ گوناگوں کو ہم پر مائل بہ کرم رکھے۔ آمین ثم آمین

مولوی غلام حضرت رحمتہ کے بڑے نواسے اور مولوی کبیرالدین صاحب کے بڑے صاحبزادے مولوی ریاض الدین صاحب تھے۔ حسین و جمیل۔ غیور و پر مغز حسنِ صورت اور حسنِ سیرت میں کوئی تضاد نہ تھا۔ آپ سروے میں ملازم تھے اور علمی قابلیت میں نمایاں خصوصیات کے حامل تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد۔ اپنی آبائی املاک کی نگرانی کرتے رہے۔ اور قریباً اسّی سال کی عمر میں ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ وفات پائی۔

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی سے منشی ذکی الدین صاحب صرف ایک فرزند تھے جن کا آج سے پچیس تیس سال قبل انتقال ہو چکا ہے۔ انکی اولاد میں منشی نقی الدین ہیں جو میٹرک پاس ہیں اور بمعہ اہل و عیال کراچی میں مقیم ہیں۔

دوسری بیوی محترمہ رشیدہ خاتون ہیں جو بفضلہ تعالیٰ زندہ سلامت ہیں۔ مگر ضعیف ہو گئی ہیں اور عمر کے .. .. ستّر سال پورے کر چکی ہیں۔ آپ کے بطن سے دو لڑکے منشی وقارالدین اور میاں اقتدار الدین پیدا ہوئے اور ایک صاحبزادی افسری بانو تولد ہوئیں۔ یہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں اور اپنے والد (میرے بڑے ماموں) مولوی ریاض الدین کی وفات کے بعد

سنہ ۱۹۳۵ء میں میرے عقد میں آئیں لیکن عمر نے وفا نہ کی اور شادی کے دس سال بعد سنہ ۱۹۴۴ء میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

مولوی ریاض الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے منشی وقار الدین بدایوں کے مستند مڈل پاس ہیں اور اپنے والد کے زیرِ تربیت رہ کر سروے کی استعداد حاصل کی اور اسی محکمہ میں ملازم ہو گئے۔ تقسیم سے قبل آپ کراچی ہی میں متعین تھے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہجرت سے پہلے ہی سندھی معاشرے کے ایک رکن بن گئے تھے تقسیم کے بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور تجارت شروع کر دی۔ بعد ازاں ایک سال کے بعد اپنی والدہ۔ چھوٹے بھائی۔ اور ماموں کو لیکر پاکستان آ گئے۔

نہایت سیدھے سادھے ہیں اور متوازن خصائل و عادات رکھتے ہیں۔ تجارت میں قدرت نے خاطر خواہ ترقی عطا کی اور اب بفضلہ تعالےٰ ایک اونچے زمیندار۔ صاحب جائداد اور وضعدار قسم کے تاجر ہیں۔ ٹھٹھہ میں زیادہ املاک ہے۔ لیکن کراچی کو مرکزی مقام بنایا ہوا ہے۔ شادی شدہ ہیں۔ صاحب اولاد اور صاحب اقبال ہیں۔ دردمند اور ہمدرد دل کے مالک ہیں۔ اہل و عیال۔ برنس روڈ کراچی میں مقیم ہیں۔ یہیں اُنکی والدہ اُنکے ساتھ رہتی ہیں۔ عمر قریباً پینتالیس سال ہے۔

مولوی ریاض الدین کے چھوٹے صاحبزادے تعلیمی اعتبار سے نمایاں نہیں ہیں۔ لیکن قدرت نے ھنر کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ آجکل لانڈھی کراچی کی نواحی بستی میں بمعہ اہل و عیال مقیم ہیں۔ اور سرکاری محکمہ میں

بحیثیت الیکٹریشین ماہر ہیں۔ کثیر الاولاد ہیں۔ جو سب کی سب لڑکیاں ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ موصوف کو اولادِ نرینہ کی نعمت سے سرفراز کرے۔ آمین ثم آمین
عمر قریباً چالیس سال ہے۔

مولوی غلام حضرت رحمۃ کے چھوٹے نواسے مولوی شفیع الدین تھے۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ تھے اور سند اساتذہ حاصل کر کے عمر بھر درس و تدریس میں مشغول رہے۔

بڑے باغ و بہار خصائل رکھتے تھے حسن و جمال ورثہ میں پایا تھا۔ باشرع اور متقی انسان تھے۔ فارسی اور عربی میں خاصی استعداد حاصل تھی۔ ہر کس و ناکس کے کام آتے تھے۔ دردمندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ راقم الحروف کے پورے خاندان کی (والد صاحب کے پردیس میں رہنے کی وجہ سے) نگرانی کیا کرتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہمارے مدار المہام تھے۔

راقم الحروف کی ابتدائی انگریزی استعداد آپ ہی کی مرہونِ منت ہے۔ پاک و ہند کے مشاہیر اور آئی یو خاں ریونیو کمشنر پاکستان جیسے مقتدر حضرات آپ کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ قریب پچھتر سال کی عمر میں کراچی میں فوت اور مدفون ہوئے۔

آپ نے بھی دو شادیاں کیں اور دونوں سے ایک ایک صاحبزادے پیدا ہوئے۔ ایک مولوی تقی الدین ہیں۔ جن کا تذکرہ مولوی عاشق حسین کی صاحبزادی منظری خاتون کے سلسلے میں کیا جا چکا ہے۔ عمر قریباً ساٹھ سال ہے۔

دوسرے صاحبزادے مولوی صبیح الدین ہیں۔ موصوف بھی میٹرک تک تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑے ہنس مکھ اور دلنواز ہیں۔ مسکراہٹوں سے دوسروں کو

متاثر کرتے ہیں۔ سروے میں ملازم تھے۔ آجکل ملازمت ترک کردی ہے اور اپنا آبائی پیشہ درس و تدریس شروع کردیا ہے۔ مولوی غلام سرور رحمتہ کی پوتی عزیزہ شاہدہ خاتون کی بڑی صاحبزادی سے آپکی شادی ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ اولاد کی دولت سے مالا مال ہیں اور کراچی کی نواحی بستی ملیر کے نزدیک مقیم ہیں۔ عمر قریباً چالیس سال ہے۔

۴۔ سید نا مولوی غلام حضرت رحمتہ کے خلف الرشید راقم الحروف کے جدّ بزرگوار مولوی تجمل حسین رحمتہ۔ نہایت وجیہہ۔ مقدس صورت۔ باشرع۔ پرہیزگار عابد و زاہد اور صلح کل انسان تھے۔ اپنے جدّ امجد سید العارفین حضرت مخدوم عبداللہ عارف باللہ رحمتہ کے نقشِ قدم پر چل کر درس و تدریس میں ہمیشہ مصروف رہے۔ زندگی کی سادگی کبھی ہاتھ سے نہ جانے دی۔ اعزا۔ و اقربا کی دستگیری اور کفالت سے کبھی منحرف نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ مخالفین تک کو نوازتے رہے اور ستارہ پیشانی والے افراد کے حق میں بھی خضر و ایوب بنے رہے حضرت عارف باللہ کے تہہ خانے (جو زیر زمین مدرسہ تھا) کی چھت پر رکوع و سجود میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور سوتے جاگتے حضرت مخدوم رحمتہ کے۔ قوم اجنہ کے شاگردوں سے ہمکلام رہتے۔ میرے پیدا ہونے سے پیشتر قریب اسی پچاسی سال کی عمر واصل بحق ہوکر حضرت مخدوم رحمتہ کے قدموں میں دفن کئے گئے۔

حاجی سید محمد علی ڈائرکٹر لینڈ ریکارڈس و کنٹرولر سروے آف انڈیا کی ہمشیرہ سے آپ کا عقد ہوا۔ جن سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

۱۔ بی۔ بی بسم اللہ بالو دختر

۲۔ مولوی تصدق حسین پسر بزرگ

۳۔ مولوی عطا حسین۔ پسر دوئم۔

۴۔ مولوی لیاقت حسین۔ پسر سوئم

۵۔ مولوی عزیز حسین۔ پسر چہارم

۱۔ بی بی بسم اللہ بالو۔ میری پھوپی۔ مولوی امیر احمد کو بیاہی گئی تھیں۔ جنکے دو صاحبزادے منشی نثار احمد تجارت پیشہ تھے اور اپنا زیادہ وقت بمبئی میں گذارا کرتے تھے۔ بعد میں بدایوں آگئے تھے۔ اور لکڑی کا کاروبار شروع کر دیا تھا۔ نہایت بارعب اور بلند حوصلہ انسان تھے۔ قسمت نے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا اور قریب ساٹھ سال کی عمر میں بدایوں میں فوت ہو گئے۔

دوسرے صاحبزادے مولوی انصار احمد مستند مدرس ہیں اور صاحب اولاد ہیں بدایوں ہی میں مقیم ہیں۔ بڑے خوش رو و خوش گفتار ہیں۔ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی ہے اور نعت خوانی بھی آپ کا محبوب مشغلہ ہے۔

۲۔ مولوی لیاقت حسین۔ تیسرے صاحبزادے۔ بڑے دلیر اور نڈر قسم کے انسان تھے درس و تدریس کا آبائی پیشہ اختیار کیا ہوا تھا۔ لیکن فارغ اوقات میں زمینداری کیا کرتے ملازمین کے لئے مثالی کردار بنکر۔ خود بھی کبھی کبھی ہل چلا لیا کرتے تھے۔ شاعری میں خاص ملکہ تھا۔ والا تخلص رکھتے تھے قوم اجنہ سے اکثر و بیشتر پنجہ آزمائی ہوتی رہتی تھی۔ شاید یہی وجہ ہو کہ جوان العمری میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک بیٹا فراست حسین پیدا ہوا۔ جو اسی طبقہ کی بھینٹ چڑھ گیا۔ جس کا آپ کو ازحد صدمہ تھا۔ ایک صاحبزادی عزیزہ یٰسین فاطمہ ہیں جو ہندوستان کے شہر سہارنپور میں اپنی والدہ کے ساتھ مقیم ہیں۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر قریب چالیس سال تھی۔

۳۔ مولوی ھز بر حسین ۔ چوتھے صاحبزادے ۔ بڑے ہنس مکھ اور مزاح نگار تھے ۔ ریاست گوالیار کے مختلف صوبوں میں بطور آمین ۔ گرداور ۔ قانون گو ۔ اور سرویر کی حیثیت سے عمر گذری تو وہیں بعمر پچاس سال انتقال ہوا ۔ اولاد نرینہ کوئی نہیں ۔ دو لڑکیاں مجنہ خاتون اور مومنہ خاتون اپنی یادگار چھوڑی ہیں ۔ جو بدایوں میں اپنے شوہروں کے ساتھ رہتی ہیں ۔

۴ ۔ مولوی تصدق حسین ۔ بڑے صاحبزادے ۔ خاندانی دبدبے اور وجاہت دورِ حاضرہ کے پیکر تھے ۔ مولوی محمد اشرف رحمۃ کے خاندانی ہم عصر افراد میں کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ سے مجادلہ و مباحثہ کر سکے ۔ رعب کا یہ عالم کہ گھر میں بیٹھ کر اگر اونچی آواز نکل جاتی تو دور و نزدیک کے عزیزوں اور ان کے بچوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی ۔ آپ کے جلال سے سب خائف رہتے تھے ۔ لیکن دل کے صاف اور قلب کے غنی تھے ۔ اوروں کی طرح کبھی منافقانہ رویہ اختیار نہ کیا ۔ جو دل میں وہی زبان پر ۔

اردو فارسی کی استعداد کے علاوہ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی ۔ کچھ دنوں محکمہ مال میں ریڈر وغیرہ کی حیثیت سے ملازمت کی ۔ لیکن فطرتِ آزاد نے انگریز کی غلام عدالت کی سربراہی قبول نہ کی ۔ اور اسے ٹھکرا کر موصوف نے اپنی آبائی زمین و جائداد کی دیکھ بھال شروع کر دی ۔ ساتھ ساتھ مختلف زمینداروں کے مختار خاص اور وکلاء کے مشیر رہے ۔ نہایت ذہین اور قابل انسان تھے ۔ عدالتی کارروائیاں اور قانونی موشگافیاں آپکے نزدیک بازیچہ اطفال تھیں ۔ شعر و شاعری سے بھی شغف تھا ۔ لیکن سخت مزاجی کے باعث کھل کر شعر کی داد وصول کرنا بھی ایک قسم کا احسان سمجھتے تھے ۔ اس لئے خاموشی سے تنہائی میں شعر کہہ کر اور خود ہی آنکو دھرا کر اپنے جذبہ

شوق کی تسکین کر لیا کرتے تھے۔ اُنکے اِس شغف وجذبہ کی خبر شاذ ہی کسی کو ہو۔ ورنہ عام طور پر سب لوگ اُنہیں ایک خشک اور قانونی فرد سمجھتے تھے۔ راقم الحروف سے علیحدگی میں بڑی میٹھی میٹھی پُر مغز اور نصیحت آمیز باتیں کرتے ہوئے اپنی شاعری کا تذکرہ بھی فرمادیا کرتے ہیں جسکی ابتدا ایک خاص واقعہ سے ہوئی۔

اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد جب میں نے ایک غزل کہی اور موصوف کو سُنائی تو بہت متاثر ہوئے اور دو تین شعر سننے کے بعد جب میں ایک مصرعہ پڑھتا۔ موصوف فوراً میرا دوسرا مصرعہ ارشاد فرمادیتے۔ جس کا نہ تو موصوف کو علم تھا اور نہ میں نے اُنہیں سنایا تھا۔ وہ غزل کچھ اسطرح تھی۔

یاد ایام گذشتہ یوں مجھے تڑپائے ہے — جیسے رہ رہ کے کوئی قلب و جگر تڑپائے ہے
چارہ ساز درد تیری چارہ سازی کے نثار — قلب غم آلودہ لیکن کب تسلی پائے ہے
جتنی کرتے جاتے ہیں احباب تلقین صبر کی — اور شدت اور شدت غم کی بڑھتی جائے ہے

گو اُنہیں مجھ سے قلبی لگاؤ تھا اور مقابلتاً مجھے بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ لیکن میری تحریک بھی اُنہیں۔ اعلانیہ شاعری پر نہ اُبھار سکی۔ بلکہ اُن کی سخت تنبیہ اور شدید باز پُرس کے خوف سے میں اُنکے اشعار نہ تو لکھ سکا اور نہ اپنے دماغ میں محفوظ رکھنے پر قادر ہو سکا۔

تقسیم ہند کے بعد۔ جب میں نے اپنے تمام اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کے انتظامات مکمل کر لئے۔ تو موصوف کافی دنوں تک مجھے روکتے رہے۔ لیکن ایک دن علی الصبح مجھے بلایا۔ میں نے پہلی مرتبہ اُس وقت اُنکی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا "تم مولوی غلام حضرت رحمتہ اور مولوی

تجمل حسین علیہ الرحمۃ کے قابلِ فخر فرزند ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا جوہر قابل ہندوستان میں رہ کر ماند پڑ جائے۔ میری اجازت ہے کہ فوراً رختِ سفر باندھو۔ تمہارے والد مولوی عطا حسین کو میں بھوپال لکھ دوں گا۔ تاکہ وہ بھی جلد تمہارے پاس پہونچ جائیں۔ میں چند سالوں کا مہمان ہوں۔ اور تا دمِ آخر۔ آباو اجداد کی عظمت و شہرت کو برقرار رکھوں گا۔"

اُن کے مندرجہ بالا فقروں نے مجھے آبدیدہ کر دیا۔ ساتھ ساتھ میری ہمت و عزم میں بھی نئی روح پھونک دی اور میں عازم پاکستان ہو گیا۔

آخر شش یہہ مردِ مجاہد ۱۹۴۹ء کے لگ بھگ۔ تقریباً ستر سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ اُس وقت نہ تو ہم لوگ موجود تھے اور نہ ہی دیگر اعزاء۔ صرف بڑے صاحبزادے مولوی توکل حسین اور چھوٹی صاحبزادی عزیزہ کامنی خاتون بدایوں میں موجود تھیں۔

آپ نے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کے بطن سے دو لڑکیاں اور ایک صاحبزادے مولوی توکل حسین پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور تیسری بیوی محترمہ علیق النساء سے تین لڑکیاں عزیزہ ہاشمی خاتون۔ صابری خاتون اور کامنی خاتون نیز ایک لڑکا عزیزی اختر حسین تولد ہوئے۔

پہلی دونوں صاحبزادیاں بدایوں ہی رہیں اور صاحبزادے مولوی توکل حسین نے ہم سب لوگوں کی ہجرت کے بعد۔ مولوی تجمل حسین رحمۃ کی ہندوستان میں موجود واحد نرینہ اولاد کی حیثیت سے اپنی خاندانی وراثت سنبھالی اور آجتک بفضلہ تعالےٰ آباو اجداد کی املاک و جائداد کی نگرانی اور مالکانہ تصرف فرما رہے ہیں۔ موروثی باغ

اور کھیت بیشک دوسرے لوگوں کے تصرف میں ہیں اور وہ بھی مسلمانوں کے۔ لیکن مکانات وغیرہ کے خود مالک و قابض ہیں۔ موصوف کے ایک صاحبزادے ہیں جن کا نام توسل حسین ہے۔ اللہ عمر دراز اور صاحب اقبال کرے۔ آمین ثم آمین

محترمہ علیق النساء کے بطن سے پیدا ہونے والی منجھلی صاحبزادی عزیزہ کامنی خاتون بھی بدایوں ہی میں ہیں اور اپنے شوہر میکو میاں کے ساتھ اپنے والد کے مکان ہی میں سکونت پذیر ہیں۔ ماشاء اللہ صاحبِ اولاد ہیں اور بدایوں میں اپنے آباؤ اجداد کی واحد خاتون ہونے کا فخر حاصل ہے۔

اِن ہی بہن بھائی کے وجود سے بدایوں میں خاندان مولوی تجمل حسین رحمۃ کا چراغ جگمگا رہا ہے۔ اور انشاء اللہ تا ابد جگمگاتا رہیگا۔ آمین ثم آمین۔

ہجرت کرنے والوں میں مولوی تصدق حسین کی مندرجہ ذیل اولاد ہے

۱۔ عزیزہ ہاشمی خاتون

۲۔ عزیزہ صابری خاتون

۳۔ عزیزی اختر حسین

عزیزہ ہاشمی خاتون نے بدایوں میں مڈل پاس کر لیا تھا۔ ابھی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ مشیت کا اشارہ پاکر۔ مولوی عاشق حسین کے چھوٹے صاحبزادے میاں رفاقت حسین سے آپ کا عقد ہو گیا۔ تقسیم برصغیر سے کچھ عرصے پہلے چونکہ موصوفہ کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے دور اندیشی سے کام لیکر۔ عزیزہ نے اپنے شوہر صاحبزادے ریاست حسین چھوٹی بہن صابری خاتون اور چھوٹے بھائی اختر حسین کو ساتھ لیا اور پاکستان چلی آئیں۔ قبلہ مولوی تصدق کی ضعیف العمری اور عزیزہ

کامنی خاتون کی نسبت طے ہوجانے کی وجہ سے مجبوراً۔ اِن دونوں کو بدایوں ہی میں چھوڑنا پڑا
جیساکہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے پاکستان آکر منشی رفاقت حسین تپ دق میں مبتلا ہو گئے
موصوفہ نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ مدرسی بھی کی اور شوہر کی تیمارداری
بھی۔ لیکن رفاقت میاں صحتیاب نہ ہوسکے۔ اور جولائی ۱۹۵۱ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے
اس عالمِ کس مپرسی میں کوئی سہارہ نہ تھا۔ اِدھر کراچی میں آباد ہونے والے
اعزّا۔ طعن و تشنیع پر موجزن اور اُدھر ہم لوگ لائل پور میں مقیم۔ راقم الحروف نے بہت
کوشش کی۔ کہ سبکو اپنے پاس رکھا جائے لیکن یہ خود دار خاتون آمادہ نہ ہوئیں۔ وہیں
عقد ثانی کرلیا۔ اور اپنی ذاتی محنت۔ لگن۔ جدوجہد۔ ایثار و قربانی اور فقر و غنا کے
سہارے اپنی تعلیمی استعداد بڑھاتی رہیں۔ ساتھ ساتھ اپنے بیٹے۔ بھائی اور
بہن کی تعلیم و تربیت بھی سنوارتی رہیں۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ عزیزہ صابری خاتون
کا سکھر میں ڈاکٹر اختر حسین کے ساتھ عقد کردیا گیا بفضلہ تعالےٰ یہ گھر آباد
اپنے مشفق اور دردمند شوہر اور اولاد کے ساتھ پرسکون۔ پرمسرت اور معیاری
زندگی گذار رہا ہے۔ ہم سب کو ڈاکٹر اختر حسین کی دردمند فطرت پر ناز اور فخر ہے
اسی طرح عزیزہ نے اپنے بیٹے ریاست حسین سلمہٗ کو ایم۔ اے کی امتیازی ڈگری دلا کر سکون
کی سانس لی اب اسکی شادی کی فکر میں ہیں۔

ساتھ ساتھ اپنے چھوٹے بھائی عزیزی اختر حسین کو بی۔ اے کرادیا جنھوں
نے اب لاگریجوئیٹ بنکر اپنی پریکٹس شروع کردی ہے۔ اور اپنے باپ دادا کا نام
روشن کر رہے ہیں۔ یہہ بھی ابھی ناکتخدا ہیں۔ ملنساری۔ عجز و انکسار۔ خلوص۔
ہمدردی۔ دردمندی اور خاندانی عظمت و اقتدار کا پیکر ہیں۔ علم و عمل اور ربط و

ضبط کی دولت سے مالا مال ہیں۔ خاندان کے ہر فرد کی خبر گیری انکی فطرتِ ثانیہ بنگئی ہے قانون وسیاست جیسی دونوں اصناف میں پیش پیش ہیں اور مخدوم زادوں کے وقار کو نمایاں رکھنے میں مصروف ہیں یہ سب لوگ نارتھ ناظم آباد میں مقیم ہیں۔

جملہ جد وجہد کی شدت کے باوجود عزیزہ ہاشمی اپنی ذاتی تعلیم سے بھی غافل نہ رہیں سیکنڈ گریجویٹ کرانے کے بعد خود بھی فرسٹ ڈویژن میں بی ایڈ کر لیا ہے اور بفضلہ تعالیٰ لڑکیوں کے ایک سرکاری اسکول میں بشانِ افسرانہ خاطر خواہ مشاہرہ حاصل کر رہی ہیں۔

۵۔ مولوی عطا حسین۔ مولوی تجمل حسین رحمۃ اللہ علیہ ابن مولوی غلام حضرت علیہ الرحمۃ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ اور راقم الحروف کے پدر بزرگوار ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

خمکدۂ عارفی اور گلستانِ تجمل کے اس گل عطر بیز نے ۱۸۸۰ء کے اوائل میں دنیائے رنگ وبو کی پذیرائی کی۔ اور حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے دولتکدۂ خاص میں پرورش پانے لگا۔ ماحول میں عربی وفارسی رچی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے انگریزی تعلیم سے بے رخی اختیار کی اور شریعت وطریقت کے علوم وتدریس میں مصروف رہنے لگے۔ کلام الٰہی اور درود وظائف کی قرأت وتسلسل چونکہ ہر وقت حادی وساری تھا اس لئے آپکی فطرت فقیہانہ نے خصائل صوفیانہ کو اپنا لیا۔

آپکے ماموں حاجی سید محمد علی جو اُن دنوں ہوئے آف انڈیا میں فیلڈ آفیسر تھے آپکو ملازمت دینا چاہتے تھے لیکن چاہتے تھے کہ زمانہ حاضرہ سے بھی۔ اُنکی اور انکی ہمشیرہ کی

اولاد بے نیاز نہ رہے۔ وقت کا تقاضا تھا کہ انگریزی علوم و فنون کو بھی حاصل کیا جائے۔ مانا کہ کافی زمینداری اور املاک موجود تھی۔ لیکن آگے چل کر ان چیزوں کو تقسیم ہونا تھا۔ اس لئے حاجی صاحب قبلہ نے اوائل عمر ہی میں آپ کو اپنے ساتھ آفریقہ لیجانے کا ارادہ کر لیا۔ اُن دونوں ممباسہ یوگنڈا ریلوے کی داغ بیل پڑ رہی تھی جس کے حاجی صاحب انچارج تھے۔

حاجی صاحب کے اصرار پر والدین نے بمشکل اجازت دی اور اسطرح یہہ کمسن صاحبزادہ وطن سے ہزاروں میل دور اور بزرگانہ و کاملانہ ماحول سے جدا ہو کر آفریقہ کے جنگلوں میں پروان چڑھنے لگا۔ سروے کی تربیت نے انگریزی کے لازمہ سے روشناس کرایا جسے موصوف نے طوعاً و کرہاً قبول کیا اور کئی سال سخت کوشش اور دل سوز حالات و ماحول سے دوچار رہ کر ایک سروئیر کے روپ میں وطن واپس آئے۔

کچھ عرصہ عارفانہ زندگی گذارتے رہے۔ تا آنکہ آپ کی شادی سیدنا مولانا کبیر الدین کی چھوٹی صاحبزادی اور آپ کے والد مولوی تجمل حسین رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرزادی کے ساتھ ہو گئی جن کا تذکرہ پچھلے صفحوں میں کیا جا چکا ہے۔

اس وقفہ میں حاجی محمد علی مرحوم ریاست گوالیار میں ڈائرکٹر لینڈ ریکارڈس مقرر ہو چکے تھے چنانچہ آپ موصوف کے ایما پر وہیں منتقل ہو کر محکمہ تعمیرات میں ملازم ہو گئے اور وہیں سے ۱۹۴۰ء میں ہیڈ ڈرافس مین کی حیثیت سے پنشن حاصل کی۔ مابعد ریاست بھوپال چلے گئے اور تقسیم ہند کے بعد اہل و عیال کی ہجرت کے باعث ۱۹۵۰ء میں لائل پور تشریف لے آئے۔

عرفان و اتقا سے سرشار ہو کر آپ نے اپنی تمام عمر گذار دی۔ عجز و انکساری کا دامن کبھی نہ چھوڑا۔ اور تا بہ زیست اپنے کسی بڑے کے ساتھ نہ تو اونچی آواز سے بولے اور نہ شکوہ و گلہ کیا۔ بچپن سے صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند رہے۔ سفر ہو یا قیام۔ آرام ہو یا تکلیف۔ سکون ہو یا بے چینی۔ تنگی ہو یا فراخ دستی۔ خشکی ہو یا تری۔ دیس ہو یا پردیس غرضیکہ کسی دور اور کسی عالم میں مذہبی فرائض کی ادائیگی سے نہ تو غفلت برتی اور نہ کوتاہی۔

لانبا قد۔ مخدوم عبد اللہ عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے خدوخال۔ مولانا رومی رحمۃ جیسی گفتار۔ چہرے سے جلال اور بڑی بڑی کشادہ آنکھوں سے تمکنت و سطوت برستی رہتی تھی۔ بزرگانِ دین کے مزارات کی جاروب کشی اولیائے کرام کے درباروں کی حاضری چلہ کشی اور وظائف آفرینی آپکی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ دردمندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنا ہو یا غیر۔ دوست ہو یا دشمن۔ دستگیری اعانت اور دلجوئی سے کبھی منھ نہ موڑا۔ جس کے نتیجہ میں اکثر اوقات سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ جاتا تھا عبادت و ریاضت میں راتوں کو جاگا کرتے تھے اور دن میں ملازمت کے فرائض پابندی و تندہی سے انجام دیتے۔ اکلِ حلال سے آپ کا گوشت پوست بنا تھا۔ اور زندگی بھر شریانوں میں یہی لہو دوڑتا رہا۔ روپیہ پیسہ کی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھتے تھے۔ اپنے خاندانی افراد میں سب سے زیادہ صاحبِ ثروت تھے۔ لیکن لاکھوں روپیہ کمانے کے باوجود روپیہ اکٹھا کرنا کفرانِ نعمت سمجھتے تھے۔ یہہ صرف آپکی زوجہ محترمہ بی بی کلثوم النساء کا حسنِ عمل اور رکھ رکھاؤ تھا کہ گھر کا نظام۔ اثاثہ اور ملکیت بڑھتی ہی رہی۔ دونوں میاں بیوی کی نجابت اور

اور نیک نیتی کی بدولت - برکتیں ہی برکتیں تھیں - جو صبح و شام بہ طفیلِ حضرت مخدوم رحمۃ
و بزرگانِ کاملین نازل ہوتی رہتی تھیں -

صبر و استقلال - فقر و استغنا اور زہد و تقویٰ آپکی خصوصیات تھیں
تاریخی - مذہبی - تبلیغی - دینی ملّی اور تعمیری کتابوں کی ایک وسیع لائبریری تھی -
جو فارغ اوقات میں آپ کی توجہ کا مرکز بنی رہتی - اور آپ اُنکے مطالعہ میں
مصروف رہتے -

رمضان شریف میں یوں تو سب اہل شرع عبادت و ریاضت میں مصروف
رہتے ہیں - لیکن اس مصروفیت کے علاوہ آپ کی ایک خاص عادت تھی کہ سخت
گرم ہوا اور چلچلاتی ہوئی دھوپوں میں آپ ہر چھٹی کو گھر سے نمازِ فجر کے بعد
نکل جایا کرتے تھے اور دن بھر جنگلوں - پہاڑوں اور بیابانوں میں ریاضت و عبادت
میں وقت گذار کر افطار سے کچھ وقت پہلے تشریف لاتے تھے - افطاری میں
اپنے لئے کوئی اہتمام روا نہ رکھتے تھے - نفس کشی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ نمک کی
ایک ڈلی اور پانی کا ایک گھونٹ پی کر - روزہ افطار کرتے تھے - آپ نے گوالیار
میں اپنے مکان سے ملحق ایک کشادہ و عریض مسجد بھی تعمیر کرائی تھی اس لئے
فوراً اللہ اکبر کی تکبیر کے ساتھ - پُر وقار و بلند آواز سے اذان دیتے - تاکہ قرب و جوار
کے روزہ دار افطار کر سکیں - مقرر شدہ امام مسجد کی تکلیف کے پیشِ نظر
پورے رمضان نماز مغرب کی امامت خود فرماتے اور پہلی رکعت کو طوالت
دیتے - تاکہ روزہ داروں کی کوئی رکعت ضائع نہ ہو سکے - ضعیفی و لاغری
رعشہ و کمزوری کے باوجود مسجد گذاری بھی ترک نہ کی - سوائے بسترِ مرگ کے

جہاں انسان مجبورِ محض ہوتا ہے۔

تن و توش قابلِ رشک اور قد و قامت مسحور کن۔ سادگی کا یہ عالم کہ سنتِ اجداد کے ہمیشہ پابند رہے۔ استطاعت کے باوجود کبھی سواری استعمال نہ کی۔ ضروریاتِ زندگی کو مختصر رکھا اور چمک دمک سے احتراز فرمایا۔ وضع داری ہاتھ سے نہ جانے دی۔ زندگی بھر ایک جیسا لباس زیبِ تن رہا۔ دولت و حشمت سے نہ تو مرعوب ہوئے اور نہ اُسکی پذیرائی کی۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن کے مرید۔ مولانا اکرام الدین شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ لیکن اپنا مرید کسی کو نہیں بنایا۔ ہاں دینی اور دنیوی تعلیمات و فنون میں آپ کے معتقدین اور شاگردوں کی بہتات تھی۔ جو آپ سے فیض حاصل کرنے پر مفتخر تھے اور ہیں۔

چالیس سال کی عمر میں ٹائیفائڈ کے شدید حملے کی وجہ سے ہفتوں بستر علالت پر پڑے رہ کر جب قریب المرگ نظر آئے۔ لواحقین و معتقدین نے پیر و مرشد کو اطلاع دی۔ جو اُن دنوں لاہور میں مقیم تھے۔ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ پہلی ٹرین سے گوالیار پہونچے اور راقم الحروف کی موجودگی میں شہنشاہِ بابر کیطرح اپنے عزیز ترین مُرید کے پلنگ کے چاروں طرف گھوم کر دُعا فرماتے رہے۔ اور عالمِ وجد میں آکر نعرہ زن ہو گئے ــــ "رب جلیل اگر عطا حسین کا وقت آگیا ہے تو اِسے میری آدھی عمر دیدے۔"

اِس نعرۂ قلندرانہ کے بعد اپنے مرید کے روبصحت ہونے تک گوالیار ہی میں

ہے اور پھر واپس لاہور تشریف لے گئے۔ کچھ دنوں بعد اِدھر مولانا کو غسلِ صحت دیا گیا اور اُدھر لاہور میں پیر و مرشد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ اللہ کیا عالمِ جذب و کمال تھا۔ اور کیا شانِ پیری و مُریدی تھی۔

؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

مولانا نے زندگی بھر یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کی۔ غریب و نادار لڑکیوں کی شادیاں کرائیں۔ لاوارث یتیموں کی بلا شرکت غیرے تجہیز و تکفین کی۔ خواہ وہ مقام کتنا ہی دور ہو۔ خبر ملنا شرط ہے۔ آپ فوراً پہنچتے۔ وبائی امراض کے دنوں میں بے دھڑک دروازے دروازے جا کر سبکی مزاج پُرسی کرتے اور علاج معالجے میں مصروف رہتے کبھی کراہیت اور جزرسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔

آخر شب بعمر ۸۳ سال۔ حضرت مخدوم عبد اللہ عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پرتو جمیل اور نویں (۹) نسل کا یہ آخری درویش صفت۔ فرشتہ سیرت مخدوم زادہ۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ ہجری مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز شنبہ بوقت ۷ بجے شب اپنے چھوٹے بیٹے مولوی مزمل حسین القادری کی گود میں درود و سلام بہ لب، اور نظر بہ جانب رب کعبہ کئے ہوئے۔ داعیِ اجل کے اشاروں پر چل کر۔ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ باقی من کل فانی

بلغ العلا بکمالہ کشف الدجا بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

آپ کا تختہ مزار لائل پور کی نواحی آبادی بیلیز کالونی نمبر ۱ کے قبرستان میں واقع ہے۔ جسکے ساتھ ہی آپ کی زوجہ محترمہ نے اپنے لئے جگہ مخصوص کرا کر نشانِ قبر بنوا دیا تھا

لیکن مرحومہ کی مٹی کراچی کی تھی اس لئے آپ کو یہاں دفن کیا نہ جا سکا جس کی تفصیل اوراقِ گذشتہ میں درج کی جا چکی ہے۔

آپ کی اولاد میں متعدد غنچہ ہائے ناشگفتہ کو چھوڑ کر دو صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

۱۔ بی بی شکیلہ بانو ـــــ بڑی صاحبزادی

۲۔ مولوی جعفر حسین ـــــ بڑے صاحبزادے

۳۔ مولوی مزمل حسین حشر القادری ـ چھوٹے صاحبزادے

۴۔ آنسہ بلقیس بانو ـــــ چھوٹی صاحبزادی

(۱) بی بی شکیلہ بانو ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا عقد منشی ایثار احمد غزنوی سرویر۔ سروے آف انڈیا کے ساتھ ہوا۔ رمضان المبارک ۱۹۲۵ء میں صرف ایک صاحبزادے عزیزی ابصار احمد پیدا ہوئے۔ جنکی پیدائش کے بعد آپ کو مرضِ دق لاحق ہوگیا۔ دو سال تک اپنے والدین کے یہاں علاج و معالجہ کرایا۔ لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر ش ۱۹۲۷ء کے آخر میں بعمر ۲۳ سال انتقال ہوگیا۔

موصوفہ و مرحومہ کے صاحبزادے ابصار احمد کو نانا نانی نے اپنے سایۂ عاطفت میں لیکر پرورش شروع کر دی۔ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا اور بڑے صاحبزادے مولوی جعفر حسین کی بڑی بیٹی عزیزہ خورشید بانو کے ساتھ شادی کر دی۔ عزیزہ سے کوئی اولاد نرینہ پیدا نہ ہوئی صرف ایک لڑکی عزیزہ مہر انگیز تولد ہوئیں۔

بیٹی کی پیدائش کے چھ سات سال بعد عزیزہ کا کراچی ڈرگ روڈ میں انتقال ہوگیا اور وہیں دفن کی گئیں۔

لائل پور واپس آنے پر راقم الحروف نے زاہد علی صاحب الیکٹرک انجنیئر نور ٹیکسٹائل ملز کی ایک بھانجی سے مولوی ابصار احمد کا عقدِ ثانی کرا دیا۔ جن سے اس وقت ماشاء اللہ دو لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

مولوی ابصار احمد مڈل تک تعلیم یافتہ ہیں۔ عقدِ ثانی کے بعد حضرت شکور شاہ بدایونی مُرید حضرت شاہ حلیم اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ لیکن بیوی شاہ حلیم اللہ شاہ رح کی مرید ہو گئیں۔ دادا پیر کی خصوصی توجہ اور پیر کے تصرفات کی بدولت روحانیت کے مدارج طے کرتے ہوئے مولوی ابصار احمد یکسیر بدل گئے۔ علمِ جفر اور علم ہندسہ و نجوم کے ساتھ ساتھ روحانی طاقت سے ہم آغوش ہو کر مخلوق کو فیض پہونچا رہے ہیں۔ گو کہ نور ٹیکسٹائل ملز لائل پور میں سینیر کلرک ہیں۔ لیکن اپنی روحانیت کے باعث ہر کہہ و مہ میں مقبول و محبوب ہیں۔ لائل پور ہی میں آجکل مقیم ہیں۔

عزیزہ مہر انگیز کی شادی بنک آف بھاول پور کراچی کے سٹینو گرافر عزیزی شاہد حسین الہ آبادی سے کر دی جن سے تین لڑکے ہیں۔ خدا انکی عمر اور اقبال میں ترقی کرے۔ یہہ لوگ عزیز آباد کراچی میں مقیم ہیں۔

(۲) مولانا عطا حسین کی چھوٹی صاحبزادی۔ عزیزہ بلقیس بانو ۱۸ مئی ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئیں۔ ایف اے کر چکی ہیں۔ شادی کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ آجکل بی اے کی تیاری میں مصروف ہیں۔

حُسن صورت اور حُسنِ سیرت کے اعتبار پر آپ قرونِ وسطیٰ کی مشہور زمانہ شہزادی بلقیس کا پرتو ہیں۔ ۱۹۴۳-۴۴ء میں عزیزی سجاد احمد صدیقی سے آپکا عقد کر دیا گیا سجاد احمد صاحب آجکل جی ایچ کیو ہیڈ کوارٹر راولپنڈی میں ایک ممتاز عہدہ پر

فائض ہیں۔ پاکستان میں کافی زمینداری اور املاک کے مالک ہیں۔ نہایت مخلص اور مرنجاں و مرنج قسم کے شریف زادے ہیں۔ اپنے ہوں یا پرائے۔ بچوں کو تعلیم دلانے کا شوق ہے اور کئی بچوں کو بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریوں سے مالامال کرا دیا۔ جذبہ شوق کی تسکین کی خاطر عزیزہ بلقیس بانو نے جامعہ عثمانیہ ہائی اسکول نام کا ایک تعلیمی ادارہ کھول رکھا ہے۔ جو عرصہ دراز سے ہری پورہ راولپنڈی میں بچیوں کو تعلیم کی نعمت سے ہمکنار کرا رہا ہے۔

اپریل ۱۹۶۵ء میں عزیزی سجاد احمد صدیقی فارن سروسز سینٹو انقرہ ترکی میں بہ حیثیت ڈیولپ منٹ آفیسر قریب چار سال حکومت پاکستان کی طرف سے متعین رہے۔ آپکے ساتھ عزیزہ بلقیس اور انکی صاحبزادی عزیزہ انجم شاہین (جو اُس وقت ایف۔ سی میں زیر تعلیم تھیں) بھی ترکی میں رہیں مڈل ایسٹ ٹیکنیکل یونیورسٹی انقرہ نے عزیزہ انجم کو انکی ذہانت اعلیٰ معیاری استعداد اور قابلیت کی بنا پر خاص وظیفہ دیا جسکے باعث عزیزہ نے اس یونیورسٹی کے تمام امتحانات پاس کر کے کیمیکل انجینیرنگ میں گریجویشن کر لی ہے۔ حالانکہ والدین ۱۹۶۹ء میں واپس آ گئے ہیں۔ لیکن عزیزہ انجم مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے وہیں ٹھہری ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ماسٹر کی ڈگری بھی وہیں حاصل کریں یا امریکہ جائیں۔

دورانِ قیام انقرہ۔ عزیزی بلقیس کے ایک اور صاحبزادی تولد ہوئیں جو ہنوز معصوم ہے تیسری بچی۔ راولپنڈی آ کر ہوئی جو شیرخواری کے عالم سے گذر رہی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ بہ طفیل رسولِ پاک اِن دونوں کو اولادِ نرینہ کی نعمت سے سرفراز کرے۔ آمین ثم آمین۔

(۳) مولوی عطا حسین کے بڑے صاحبزادے مولوی جعفر حسین تھے جو ابتدائے ۱۹۰۶ء

میں پیدا ہوئے۔ نہایت وجیہ۔ بارعب اور صاحب اقبال رہے تھے۔ زندگی کے ہر گرم سرد کو دیکھا۔ ۔ ۔ والد صاحب قبلہ کے مذہبی رجحانات کے باعث آپ انگریزی ڈگری سے محروم رہے۔ قرآن و سنت کے تعلیمی مدارج طے کرنے کے لئے مولانا نے آپ کو ندوۃ العلوم لکھنؤ میں داخل کرا دیا تھا۔ جہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے کلام پاک بھی حفظ کیا۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کئی سال تک مسلسل آپ رمضان شریف میں گوالیار کی مساجد میں کلام الٰہی سناتے رہے۔ بعد میں محکمہ پی ڈبلیو ڈی میں سپروائزر مقرر ہونے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

طبیعت میں چونکہ آزادی تھی اس لئے ملازمت ترک کر دی اور ذاتی تجارت شروع کر دی۔ ہندوستان میں جب تک رہے بڑی بڑی فرمیں چلاتے رہے پاکستان بننے کے بعد راولپنڈی آکر اپنی ہمشیرہ عزیزہ بلقیس بانو کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں بھی تجارتی رجحان و عمل برقرار رہا۔ کچھ عرصہ لائل پور رہے پھر لیاقت آباد کراچی میں مقیم ہو گئے عمر تقریباً چونسٹھ سال ہے۔ ضعیفی کے باعث زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے تھے پھر بھی ہاتھ پیر چلاتے رہتے۔ ماشاء اللہ صاحب اولاد صاحب حیثیت تھے

آپ کی شادی بدایوں میں سید فضل حسن کی بڑی صاحبزادی سیدہ اختری بانو سے ہوئی جو حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہی اولیا کے خاندان سے ہیں۔ نازک اندام۔ شیریں بیان۔ صلح جو نیک خو۔ حور صفت۔ عابدہ پرہیزگار اور دردمند خاتون ہیں۔ راقم الحروف کی ہم عمر اور نہایت شفیق و کرم نواز بھاوجہ ہیں[1]

آپ کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سوائے چھوٹے صاحبزادے میاں شاہ نواز کے سب بفضلہ تعالیٰ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

[1] دوران طباعت مورخہ ۵ رجب ۱۳۹۱ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۷۱ء بروز دوشنبہ بوقت ۱۰ بجے شب یہ گوہر آبدار بھی بعمر چونسٹھ سال دریائے حقیقت کی موجوں میں غرق ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

بڑی صاحبزادی عزیزہ خورشید بانو کا نوعمری میں انتقال ہو چکا ہے۔ جس کا تذکرہ بی بی شکیلہ بانو کے سلسلے میں کیا جا چکا ہے۔ ایک یادگار دختر مہرانگیز چھوڑی ہے۔ جنکی اولاد سے مرحومہ کا نام زندہ ہے۔

دوسری صاحبزادی عزیزہ قمر بانو ہیں۔ بوٹا ساقد۔ ہنس مکھ اور تعلیم یافتہ ماں کی متانت اور باپ کی تمکنت ورثہ میں پائی ہے۔ عزیزی واجد حسین صدیقی بدایونی کے ساتھ بیاہی گئیں۔ واجد میاں اسٹیٹ بنک آف پاکستان کراچی میں ٹریزری آفیسر ہیں۔ صاحب املاک و جائداد ہیں۔ مسکراتا ہوا چہرہ اور نرم گفتار و رفتار کے مالک ہیں سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ عزیزوں میں ہر دل عزیز ہیں۔ مصروف زندگی گذار رہے ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔

تیسری صاحبزادی ننھی بیگم عزیزی شفاعت رضا لکھنوی سے بیاہی گئیں دونوں میاں بیوی بڑی باغ و بہار اور مزاح نگار طبیعت کے مالک ہیں۔ عزیزی شفاعت میاں حکومت پاکستان کے مرکزی ایگریکلچر ڈپارٹمنٹ اسلام آباد میں بطور سٹینو متعین ہیں۔ ایک بچی ان دونوں کی مسرتوں کی واحد مرکز ہے۔

عزیزی ننھی بیگم وہ واحد خاتون ہیں جنھوں نے راقم الحروف کی والدۂ محترمہ کی آخری ہچکی سنی اور روح کو پرواز کرتے دیکھا۔ کیونکہ اتفاقاً اُن دِنوں وہ کراچی میں اپنے والد کے پاس آئی ہوئی تھیں اور فجر کی آذان سے قبل اپنی مرحومہ دادی کو میری طرح چار پلایا کرتی تھیں۔

مولوی جعفر حسین کے بڑے صاحبزادے منشی صابر حسین ہیں۔ ماں باپ کی طرح حسین و جمیل اور بلند حوصلہ۔ ذکی الحس اور آزاد مزاج ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد

میرے ساتھ راولپنڈی چلے آئے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی۔ دھلی کے ایک سوداگر کی صاحبزادی سے شادی کی۔ جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ماشاء اللہ جوان ہے مگر سسرال والوں سے نباہ نہ ہوسکا اس لئے دوسری شادی کرنی پڑی۔ جن سے ماشاء اللہ دو لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ عمر تقریباً چالیس سال ہے۔ ابتداء سے تجارت پسند ہیں اور مختلف اصناف کو آزما چکے ہیں۔ حالات کے پیچ و خم کے باعث میٹرک نہ کرسکے۔ آجکل ریڈی میڈ ملبوسات کی ایک فرم کے مالک ہیں اور بمعہ اہل و عیال لالوکھیت کراچی میں اپنے ذاتی مکان میں سکونت پذیر ہیں۔

مولوی جعفر حسین کے چھوٹے صاحبزادے میاں شاہنواز علم و ہنر کے حصول میں کوشاں ہیں اور شب و روز اپنی زندگی کو بالیدگی بہ آغوش بنانے کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں۔ ہنوز غیر شادی شدہ ہیں۔ عمر تقریباً انیس سال ہے

(۴) راقم الحروف۔ مولوی عطا حسین کا چھوٹا لڑکا ہے۔ میری پیدائش اواخر ستمبر ۱۹۴۲ء میں بروز جمعرات بوقت صبح کاذب ہوئی۔ چونکہ کئی بچوں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس لئے بڑی احتیاط۔ ناز و نعم اور دعا و درود کے سہارے میری پرورش ہوئی۔ آئے دن نذر و نیاز اور صدقہ و نچھاور کے آغوش میں بالیدگی حاصل ہوتی رہی۔ بزرگوں کے تصرفات۔ فقیروں کی دعائیں اور کاملین کی برکتوں نے میرے دن و رات روشن کئے۔ پھر بھی زندگی کے ابتدائی سال بڑی تکلیف اور شدید امراض کی بہتات و مدافعت میں گذرے۔ والدین نے مزمل حسین نام رکھا اور درویش و بزرگانِ دین نے معود و مظفر بنا دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کرچکا ہوں۔ ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم مولوی سہاحسن

سے حاصل کی اور پھر سکول کی ابتدا اپنے شفیق و مدار المہام ماموں قبلہ شفیع الدین کے ہاتھوں مہمیز پذیر ہوئی۔ پانچویں جماعت تک میٹن اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں میں تعلیم حاصل کی اور پھر والد صاحب قبلہ مولوی عطا حسین کے پاس گوالیار پہونچا دیا گیا۔ تاکہ دینوی تعلیم کے ساتھ دینی رجحانات بھی پروان چڑھتے رہیں

مادر وطن کے علما و عظما۔ خاندان کے عارفین و صلحا جدِّ امجد حضرت مخدوم عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت اور شاندار خدماتِ علم و عمل کا ملانہ رشد و ہدایت کی روایات کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی زندگی کو ڈھالنے کی جدوجہد میں مصروف ہو گیا گوالیار ہی سے گریجویشن کی۔ اور یہیں فنونِ پیمائش۔ تعمیرات۔ اعداد و شمار اور علم و ادب کی پہنائیوں سے بہرہ ور اور روشناس ہوا۔ بقول مولانا ناظر لقت

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بگفتا من کہ مشکی یا عبیری — ز خوشبوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد!
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

[illegible] اولیائے کاملین کی خدمت [illegible] بزرگانِ دین کے مزارات کی مجاوری [illegible] اور [illegible] کی دعاؤں نے میری زندگی کو سنوارا اور [illegible] خاندان [illegible]

گوالیار [illegible] سے وابستگی اور [illegible] راجہ گوالیار [illegible] کالج [illegible] پر ریاست [illegible] مختلف مدارج طے کرتا ہوا ۱۹۴۲ء میں جبکہ

والد صاحب پنشن لیکر بھوپال، سینٹرل انڈیا جا چکے تھے۔ چند سیاسی وجوہات اور مسلمانوں کو منظم و متحد کرنیکی پاداش میں ریاست کو خیر آباد کہا یہی وہ دور تھا۔ جب میرے کالج فیلو مسٹر منظر عالم مرحوم جوائنٹ سکریٹری کنونشن مسلم لیگ کو بھی ریاست بدر ہونا پڑا تھا۔

ان ہی دنوں مارہرہ (یوپی) میں حضرت احسن مارہروی کے یہاں کل ہند مشاعرہ میں حضرت جگر مرادآبادی سے ملاقات ہوئی جہاں طرحی مصرعہ حضرت جگر کی ہی غزل کا مصرعہ تھا ؎ شبِ فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے۔

میں نے جب پہلا مطلع پڑھا ؎ قدم قدم یہ تسلی دلائی جاتی ہے
اب آئی جاتی ہے منزل اب آئی جاتی ہے

حضرت جگر بہت مسرور ہوئے اور مشاعرہ کے اختتام پر مجھے اپنے پاس بٹھا کر کافی وقت تک گفتگو کرتے رہے۔ انہیں جب حالات کا پتہ چلا مجھے لیکر خود رامپور آئے اور سید بشیر حسن زیدی وزیر اعظم سے میرا تعارف کرا دیا۔ حکومت میں ملکی اور غیر ملکی تحریک کے باعث میں شریک نہیں ہو سکتا تھا اس لئے موصوف نے مجھے رضا ٹیکسٹائل ملز میں سٹور آفیسر مقرر کر دیا۔

ستمبر ۱۹۳۵ء میں جب میں گوالیار میں تھا۔ میرے بڑے ماموں مولوی ریاض الدین (جنکا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے) کی اکلوتی صاحبزادی افسری بانو سے میرا عقد ہو گیا۔ جن سے ایک لڑکی ادریس بانو اور دو لڑکے میاں (محمد نثر حسین) محمد اختر نواز اور مقدس حسین پیدا ہوئے۔ میرے رامپور آنے کے بعد جہاں میری ادبی زندگی نکھری اور ہندوستان کے ادبی رسائل میں میرا کلام نظم و نثر چھپنے لگا وہیں میری بیوی افسری بانو یرقان میں مبتلا ہو گئیں اور اوائل مئی ۱۹۴۴ء میں جبکہ میں بحالت بیہوشی مرحومہ کو بدایوں لیجا رہا تھا

بریلی جنگشن پر داغ مفارقت دے گئیں۔ تینوں بچے میرے ساتھ تھے۔ خوشدامن صاحبہ
ہم سفر تھیں اور کاٹھ گودام ایکسپریس میں سٹریچر پر مرحومہ کی میت رکھے ہوئے۔ میں بدایوں
کی جانب رواں دواں تھا۔ تصور کیجئے کہ کتنا الم انگیز اور صبر آزما وقت تھا۔
جب حقیقت واقعہ معلوم ہو جانے پر۔ میت کا اسٹیشن پر روک لینا لازمی تھا۔ قدرت کا
کرم اور حضرت مخدوم عبداللہ رح کا تصرف کہیئے کہ جب تک ہم لوگ اپنے گھر کے دروازے
پر نہ پہونچ گئے۔ کسی فرد کی آنکھ نے نہ تو آنسو بہایا نہ لب ہلے اور نہ قدم لڑکھڑائے
بالکہ بلیز پر پہونچتے ہی سب لوگ بے جان ہو کر گر پڑے۔

حق مغفرت کرے۔ مرحومہ۔ پابند صوم و صلوٰۃ۔ صبر و شکر کی دیوی۔ اپنے پرائے
کی خوش و مخوار اور مغافانی وجاہت و تمکنت کا پیکر تھیں۔ سادگی اور انکساری اوڑھنا
بچھونا تھا۔ اور اقربا نوازی فطرت ثانیہ۔

چھوٹے صاحبزادے۔ عزیزی مقدس حسین کو انکی نانی نے اپنے پاس رکھ لیا کیونکہ
اس وقت انکی عمر قریب دو سال تھی۔ بڑی لڑکی عزیزہ ادریس سلمہ اور بڑے لڑکے میاں محمد اختر نواز
علی الترتیب دس اور آٹھ سال کے تھے میرے پاس رہے۔ ان حالات کے تحت اکتوبر ۱۹۴۵ء
میں میں نے عقد ثانی کر لیا۔

میری دوسری بیوی محترمہ اول افروز مولوی تصدق سبزواری مظفر نگری اور بی بی
ذہینہ خاتون (جو ہمارے خاندان سے متعلق تھیں) کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ انکی
زندگی زیادہ تر بھوپال۔ ٹونک اور بہاولپور کی ریاستوں میں گذری ہے اس لئے
بیگماتی دبدبہ اور شکوہ انکی جبلت ہے، ویسے صاف گو۔ پاکیزہ سیرت اور دردمند
ہیں۔ قدرت نے پر مغز دماغ اور نظامیہ صلاحیت اور صاحب اقبال شخصیت عطا کی ہے

تقسیم ہند ہوتے ہی اکتوبر ۱۹۴۷ء میں۔ میں بھوپال۔ اپنی اولاد بڑے بھائی کے اہل وعیال اور دیگر اعزا کو لیکر پاکستان چلا آیا۔ کچھ دنوں راولپنڈی میں اپنی ہمشیرہ بلقیس بانو اور والدہ کے پاس رہا (کیونکہ یہ لوگ دہلی سے سرکاری ٹرین میں پہلے ہی پاکستان آگئے تھے) اور پھر لائل پور کا رخ کیا۔ جسے اپنا وطن ثانی منتخب کر کے رہائش کی داغ بیل ڈالدی۔ کچھ عرصہ مردان کی شوگر فیکٹری میں رہا اور مارچ ۱۹۵۰ء سے مستقلاً لائل پور آکر کوہ نور ٹیکسٹائل ملز میں سٹور آفیسر کے عہدے سے ترقی کرتا ہوا بحیثیت امپورٹس و پرچیز منیجر ۱۹۶۶ء تک رہا۔ بعد میں افتاد طبع اور کم ظرف لوگوں کی وجہ سے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ اس عرصہ میں چند ذاتی کام بھی کرتا رہا۔ جہاں قدرت نے میری ہمت افزائی کی اور اپنے فضل و کرم سے صاحب اولاد صاحب املاک اور صاحب جائداد بنا دیا۔

میری دوسری بیوی کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بڑے لڑکے عزیزی اعظم پرویز بدایوں ہی میں پیدا ہوئے جبکہ ایک لڑکی عزیزہ شہناز مزمل اور دو لڑکے عزیزی طارق مزمل اور جاوید مزمل پاکستان آکر لائل پور میں تولد ہوئے

دینی مطالعہ اور کتب بینی کے ساتھ ساتھ آجکل مستغنی زندگی گذار رہا ہوں اور ۱۹۶۰ء میں محترمہ دل افروز کے قائم کئے ہوئے ایک تعلیمی ادارے کی دیکھ بھال اور غور و پرداخت میرے ذمہ ہے خدا سے ہر وقت دعا گو ہوں کہ وہ مجھے حج کی سعادت اور مدینہ منورہ کی زیارت کا شرف عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

نسیما جانب بطحا گذر کن
زاحوالم محمد را خبر کن

میری بڑی لڑکی ادریس بانو بنت افسری بانو، ۲ مارچ ۱۹۳۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ پاکستان آکر ستمبر ۱۹۵۰ء میں اُنکا عقد کر دیا گیا۔ اُنکے شوہر عزیزی میاں شفیع الدین بدایونی ننہیال سے رشتہ دار ہیں۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ ہیں۔ اُنکے والد حافظ رفیع الدین نوعمری میں لاہور چلے آئے تھے اور یہیں ملازم ہو کر سکونت پذیر ہو گئے۔ عزیزی شفیع الدین میٹرک پاس ہیں۔ دونوں میاں بیوی نہایت خوش خلق اور ملنسار ہیں۔ آجکل حبی سنز شوگر ملز خانپور میں سینیئر آڈٹ کلرک ہیں۔ کثیر الاولاد ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا میٹرک پاس کرنیکے بعد کراچی میں ملازم ہے۔ ماشاء اللہ کھاتے پیتے اور صاحب حیثیت ہیں۔

دوسری لڑکی عزیزہ عارفہ شہناز مزمل ۱۰ اپریل ۱۹۴۳ء کو گنیش فلور مل لائل پور میں پیدا ہوئیں۔ شروع سے تعلیم کی حد درجہ شوقین رہی ہیں ذہین و فرمانبردار سہنس مکھ۔ ملنسار اور مرنجاں و مرنج طبیعت کی مالک ہیں، ادبی ذوق بھی رکھتی ہیں دورانِ ہجرت و قیامِ پاکستان میری منتشر غزلیں۔ نظمیں اور قطعات کو اِدھر اُدھر سے حاصل کر کے شیرازہ بندی کرنا عزیزہ کا بہت بڑا کارنامہ ہے، ورنہ میرا کلام اسی طرح ضائع ہو جاتا جسطرح میرے افسانوں کے مجموعے ٹوٹے ہوئے دل کا حشر ہوا۔ عزیزہ نے سکول اور کالج کے مباحثوں میں ہمیشہ اوّل انعامات حاصل کئے۔ ایف۔ اے پاس کرنے کے بعد دورانِ جنگ ہم لوگ لاہور سے لائل پور آ گئے تھے اس لئے تعلیمی تعطل پیدا ہو گیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء کو آپکی شادی کر دی گئی۔ لیکن عزیزہ کو اب بھی تعلیمی لگن ہے ممکن ہے کہ اس سال بی۔ اے فائنل کر لیں۔

آپ کے شوہر سیٹھ سلطان احمد ناگپوری ہیں۔ ایل ایل بی کرنیکے بعد وکالت

شروع کردی لیکن والد کے انتقال کے بعد ساری ذمہ داری اُنپر آپڑی۔ گو اور بھی دو بھائی اور پانچ ہمشیرہ ہیں۔ بھائی چونکہ فوج اور ٹیلیویژن کارپوریشن میں ملازم ہیں اس لئے جائداد کی نگرانی آپ ہی کے ذمہ ہے جس میں سب سے اہم اور نازک ذمہ داری کراؤن سینما ملتان کی ہے جسکے باعث آپ نے وہیں سکونت اختیار کرلی ہے اور بمعہ والدہ و ہمشیرگان شمس آباد میں مقیم ہیں۔

۱۱ر نومبر ۱۹۶۸ء کو عزیزہ کے ایک بچی تولد ہوئی جس کا نام میں نے نعمانہ رکھا ہے اور جواب بفضلہ تعالیٰ ڈیڑھ سال کی ہے۔ اللہ صاحبِ اقبال اور عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین۔

میرے سب سے چھوٹے لڑکے عزیزی جاوید مزمل ۲۸ر نومبر ۱۹۵۲ء میں کوہ نور ٹیکسٹائل ملز میں پیدا ہوئے میٹرک فرسٹ ڈویژن کرنیکے بعد آجکل گورنمنٹ کالج لائل پور میں میڈیکل کی تیاری میں مصروف ہیں۔

ان سے بڑے لڑکے عزیزی طارق مزمل ۲۲ر فروری ۱۹۵۱ء میں کوہ نور ملز ہی میں پیدا ہوئے ملتان سے ڈی کام اور سی کام کرنیکے بعد آجکل بی کام حصہ دوئم کی تیاری میں ہیلی کالج آف کامرس لاہور کے ہوسٹل میں محوِ تعلیم ہیں اور اپنی تمام تر خاندانی روایات کے علمبردار ہیں۔

دوسری اہلیہ سے سب سے بڑے لڑکے عزیزی اعظم پرویز مزمل ۲۳ر جون ۱۹۲۶ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ لائل پور میں پروان چڑھے۔ لاہور سے ایف اے کرنیکے بعد ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو مڈل ایسٹ ٹیکنیکل یونیورسٹی انقرہ ترکی کے امتحان مقابلہ میں کامیاب ہوکر وہاں چلے گئے اور اپنی بھوپی یعنی میری ہمشیرہ عزیزی بلقیس بانو

(جنکا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے) کے ساتھ رہ کر تعلیمی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ طبیعت چونکہ مائل بہ انجینئرنگ تھی اس لئے ایک سال بعد یونیورسٹی چھوڑ کر جرمنی چلے گئے قریب ڈیڑھ سال وہاں جرمنی زبان سیکھ کر مصروفِ عمل رہے اور بعد کو انگلینڈ چلے گئے۔

آجکل لندن میں سکونت پذیر ہیں۔ میکینیکل انجینئرنگ کے مختلف شعبوں میں مصروف تجربہ ہیں اور ساتھ ساتھ تعلیمی استعداد بھی بڑھا رہے ہیں ایثار۔ ملنساری دلنوازی اور حسنِ سلوک کی شخصیت کے مالک ہیں۔

میرا منجھلا لڑکا۔ عزیزی مقدس حسین ۲۸ اپریل ۱۹۴۱ء کو بدایوں میں پیدا ہوا دو سال کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ نانی کی آغوش میں پرورش پانے لگے۔ گو میں اس پرورش کا قطعی مخالف رہا۔ لیکن جب بیٹی کی یادگار کا واسطہ دیا جاتا۔ خاموش ہو جاتا۔ نانی ہی کے ساتھ پاکستان آ گئے اور مختلف گرم و سرد سے دوچار ہو کر کراچی سے بی اے کی ڈگری حاصل کر لی۔

آجکل یونائیٹڈ بنک کراچی میں جونیئر آفیسر ہیں اور میرے پرانے ساتھی محترمی سید محمد ذکی کی بھانجی فریدہ خاتون بنت سید عزیز الحسن سے اگست ۱۹۶۸ء میں عقد کر دیا گیا۔

۱۶ اپریل ۱۹۶۹ء کو خدا نے اُنہیں ایک چاند سا بیٹا عطا کیا جو لائل پور میں پیدا ہوا۔ میں نے اِس بچے کا نام عمران اظہر رکھا ہے ماشاء اللہ بڑا خوبصورت ہنس مکھ اور صاحبِ اقبال بچہ ہے جسنے مجھے دادا بنانے میں فوقیت حاصل کی۔

سیدہ فریدہ بڑی فرمانبردار اور سعادت مند لڑکی ہے ہنس مکھ باغ و بہار

اور ملنسار شخصیت کی مالک ہے۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ ہے اپنے شوہر کی طرح ذہین اور نکتہ سنج بھی ہے۔

عزیزی مقدس حسین۔ چند مخصوص اصولوں کے پابند ہیں۔ باپ کی طرح دھان پان۔ لیکن زود رنج اور ذکی الحس ہونے میں فوقیت رکھتے ہیں۔ علم و ادب سے دلی لگاؤ ہے۔ کتب بینی اور کتب اندوزی سے دلچسپی ہے۔ میرا دیوان میزان محشر ان ہی کی کاوشوں سے طبع ہوا۔

میرے سب سے بڑے لڑکے عزیزی محمد اختر نواز (مدثر حسین) ۲۴ اگست ۱۹۳۰ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے اور اپنی والدہ کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے۔ مجھ سے حد درجہ مانوس ہونیکی وجہ سے میرے پاس ہی رہے اور ترغیب بسیار کے باوجود اپنے خیالات میں فرق نہ آنے دیا۔

راولپنڈی سے میٹرک کیا اور گورنمنٹ کالج لائل پور سے گریجویشن کے بعد کوہ نور ٹکسٹائل ملز میں بطور اپرنٹیس آفیسر مقرر ہو گئے۔ قریب ڈیڑھ سال ملز میں کام کرنے کے بعد مئی / جون ۱۹۶۰ء میں جرمنی کی مشہور کیمیکل کمپنی بائر کے بلاوے پر۔ ڈسلڈارف (مغربی جرمنی) چلے گئے۔ جرمنی میں مختلف مشہور کیمیکل کمپنیوں میں کیمیائی اور تکنیکی تعلیم و ٹریننگ حاصل کی۔ پھر فرانس سوئٹزرلینڈ اور لندن جا کر آر آئی سی۔ آئی۔ سیبا۔ سینڈوز اور فرینک کلر جیسی مشہور زمانہ کیمیائی تجربہ گاہوں اور اداروں میں تعلیمی و تربیتی مدارج طے کئے۔ یورپ کے تمام مشہور ممالک مثلاً آسٹریا۔ ہنگری۔ رومانیہ۔ یونان۔ بلغاریہ ہالینڈ۔ بلجیم۔ سویڈن اور ناروے میں تجربہ و تجزیہ کی خاطر مقیم رہے۔

لیکن مرکز توجیہ و تربیت سوئٹزرلینڈ اور مغربی جرمنی رہے جہاں کئی سال گذارے۔ واپسی میں بلادِ اسلامیہ ترکی۔ ایران۔ مصر۔ بیروت شام۔ اور سعودی عرب میں بھی تجزیاتی اور تجرباتی زندگی کے مختصر ایام گذارے عمرہ اور زیارتِ روضۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض و شرفیاب ہو کر ۱۹۶۶ء کے پہلے دور میں پاکستان آ گئے۔

چندے کوہِ نور ملز میں بطور سینیئر اسسٹنٹ پرنٹنگ ماسٹر کام کیا اور پھر جب میں نے یہاں سے ملازمت چھوڑی۔ خود بھی دل برداشتہ ہو کر کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان سے وابستہ ہو گئے۔

ملتان کے دورانِ قیام ۱۹۶۷ء کی ابتداء میں مسٹر حماد الرضا کمشنر ملتان کی ماموں زاد چھوٹی بہن سے آپکی شادی کر دی گئی۔ جسکے قریب دس ماہ بعد آپ کراچی چلے گئے۔ جہاں آپ ایک مشہور سلک مل میں بطور پرنٹنگ ماسٹر اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور آجکل تارکھ ناظم آباد رہتے ہیں۔

(ماہِ طہارت عزیزی اختر نواز کی فطرتِ اجتہاد و جبلتِ حوصلہ مندی نے سمندر پار کی فضاؤں کو عبادہ شرف ہم آغوشی بخشا اور براعظم افریقہ کے خوبصورت ملک تنزانیہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو کر ۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو نیروبی کے راستہ دارالسلام پہنچے)

حد درجہ سعادت مند۔ فرمانبردار اور مرنجاں مرنج شخصیت ہیں۔ وجاہت خاندانی ورثہ ہے و نفاست فطرتِ ثانیہ۔ شکل و صورت سے فریدی تمکنت و دبدبہ برستا ہے اپنے پرائے کے خیرخواہ اور ضرورتمندوں کے خادم۔ نانا دادا کیطرح سرخ و سفید اور مخدوم گنج شکر کی روایتوں کے آئینہ دار ہیں۔ بہ طفیلِ ربِ کعبہ اور بہ فیضِ سید العارفین میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ عزیزی محمد اختر نواز قادری۔ وہ پہلے ممتاز مخدوم زادہ ہیں

جنھوں نے یورپ ایشیا اور افریقہ کے براعظموں کے مرکزی۔ ثقافتی۔ صنعتی اور منفرد حیثیت کے ملکوں اور شہروں کی نہ صرف سیاحی کی۔ بلکہ تجزیہ و تجربہ کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنا ایک خاص مقام بنالیا تھا۔ حافظ شیرازی رحمۃ کا یہ شعر ہم سبکی رہنمائی اور کامیابی کا ضامن ہے۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

کیونکہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ ؎

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے
دامن تزویر مکن چوں دگراں قراں را

بحمد اللہ۔ مولوی تجمل حسین رحمۃ کی پوری دسویں اور گیارہویں نسل۔ خاندانی نجابت میں افضل و برتر ہے۔ خدا ان سبکی اولاد کو طویل عمر صحت و اقبال۔ اور دین و ملت کی خدمت کی نعمتوں سے مالا مال کرے آمین ثم آمین یارب العلمین

آئیے ہم سب مل کر شجرۂ چشتیہ مخدومیہ کے ورد سے اپنے ایمان کو تازہ کریں اور دعا مانگیں۔

یارب بہ صدقے حضرت سلطان انبیا — فیضان صدق۔ زہد کا عرفان کر عطا
صدیق رضی کی صداقت و فاروق رضی کا عمل — سایہ فگن علی رضی کا رہے عزم بے خلل
بہر صفات خواجہ حسن بصری رضی امام — جز تیری ذات۔ دل میں کسی کو نہو قیام
حق آشنا ہوں واحد ذی جاہ کے طفیل — ہر دم کرم نواز رہیں خواجہ فضیل رحمۃ

جملہ تصرفات براہیم رحمۃ باصفا — مشکل کشا و مونس و رہبر ہوں اے خدا
فیضِ حذیفہ رحمۃ۔ لطفِ ہبیرہ رحمۃ کا واسطہ — بہرِ سلوکِ حضرتِ شمشادِ رحمۃ حق نما
روحانیت سے سینہ و دل سرخرو رہیں — اسحاق رحمۃ کے طفیل سے نازل ہوں برکتیں
بہرِ خشوعِ احمدِ ابدال رحمۃ باصفا — صدقہ کمالِ خواجہ محمد رحمۃ کا اے خدا
فیضِ صفائے یوسف رحمۃ و مودود رحمۃ ذو الکرام — بہرِ وقارِ حضرتِ عثمان رحمۃ ذی مقام
بہرِ شہِ ولایت و خاصانِ اولیاء — یعنی معین دین رحمۃ و خستانِ اولیاء

فکر و عمل کو قلب و نظر کو نکھار دے
معبود زندگی کو ہماری سنوار دے

صدقے میں لطفِ قطبِ زماں بختیارِ دیں رحمۃ — بہرِ فرید رحمۃ شاہ و شکر گنج۔ انگبین
سرچشمۂ ہدایتِ ملت نظامِ دیں — محبوبِ حق کے واسطے اے ربِ عالمیں
روشن چراغ ہم ہوں۔ چناں خواجہ نصیر رحمۃ — محبوبِ کل ہوں بہرِ جہاں گشت رحمۃ بے نظیر
مولا طفیلِ حضرتِ قتال۔ صدر دیں رحمۃ — ہوں مقتدیٰ حضرتِ سارنگ رحمۃ بالیقین
یارب طفیلِ خواجہ میناد رحمۃ مشیخ۔ سعد رحمۃ — بہرِ صمد رحمۃ صفی رہیں دنیا میں بامراد
صدقے میں چشتی۔ خواجہ باقی رحمۃ باصفا — بہرِ جمالِ عارفِ باللہ رحمۃ حق نما

دنیا و دیں کی رحمتیں ہم پر دوام ہوں
یعنی کہ ہم زباں زدِ ہر خاص و عام ہوں

مولانا رحمت اللہ کی تقدیس کے طفیل — یارب نہ آئے دل میں ہمارے ذرا بھی میل
صدقے میں قبلہ ہادیٔ رحمۃ مخدوم زادگاں — بہرِ جنابِ حسبی اللہ رحمۃ۔ صوفشاں
روحِ دلیقیں کو زہد و عبادت شناس کر — بہرِ جنابِ واحد رحمۃ ذیشانِ معتبر

صدقے میں اپنے باسطِ شب زندہ دار کے رحمۃ
اولاد و آلِ حضرت اشرف رحمۃ نواز دے

بہرِ غلام حضرتِ رحمۃ فردوس آستاں
یارب ہر ایک فرد ہے شاد و کامراں

صدقے میں اتقائے تجلی حسین رحمۃ کے
کونین کی سعادت و برکات بخش دے

بہرِ علیؑ قبلہ و کعبہ عطا حسین رحمۃ
یارب انکی آل ہو مجبورِ شور و شین

ہو خاندانِ حضرت مخدوم رحمۃ سر خرد
مصروفِ وصف ہر کس و ناکس ہو کو بکو

چونکہ مولانا حضرت محمد اشرف رحمۃ کے سرچشمہ رشد و ہدایت سے چار نورانی دریائے معرفت اُبھرے۔ جن میں سے ایک کچھ عرصہ فیض بار رہ کر خشک ہو گیا۔ لیکن تین جوارِ انگبیں افاضۂ عرفاں کی برکتوں سے سرشار رہے۔ اس لئے متعلقہ حضرات اپنے شجرۂ عارفانہ کو سلسلہ وار مرتب کرلیں۔ جس طرح میں نے آخری چار اشعار میں اپنے سلسلے کو ترتیب دیا ہے۔ کیونکہ ؎

ہر فرد کو شعور کی نعمت ہوئی عطا
اجداد کے چراغ کو روشن رکھے خدا

آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

1

6